خواتین جنت

تالیف

مولانا عبدالسلام بستوی رحمہ اللہ

MAKTABA ISLAMIA

مکتبہ اسلامیہ

مرتب

خواتین جنت

تالیف

مولانا عبدالسلام بستوی رحمہ اللہ

ناشر ---------------- محمد سرور عاصم

اشاعت ---------------- 2015ء

ملنے کا پتا

مکتبہ اسلامیہ

لاہور: ہادیہ حلیمہ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
042-37244973 - 37232369

فیصل آباد: بیسمنٹ سمٹ بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد
041-2631204 - 2641204

0300-8661763
/maktabaislamia1
www.maktabaislamiapk.com
maktabaislamiapk@gmail.com

فہرست

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

عرض ناشر

الحمدللّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الأمین۔
أما بعد:

دین حنیف کی تاریخ میں خواتین کے کردار، اخلاق، استقامت، عفت و عصمت، جرأت و شجاعت اور شرم و حیا سے متعلق کئی روشن مثالیں موجود ہیں جس میں بنیادی اہمیت کی حامل اور ان کی عظمت کی بڑی دلیل معصیت و نافرمانی سے دوری اور جذبۂ اتباع سے سرشاری ہے۔ ان کی اسی خوبی نے انھیں عام عورتوں سے نکال کر ''خواتین جنت'' کی فہرست میں شامل کر دیا ہے۔

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
«مَنْ صَلَّى اثْنَتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً فِي يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، بُنِيَ لَهُ بِهِنَّ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ»
''جس نے دن رات میں بارہ رکعتیں پڑھیں، اس کے لیے جنت میں گھر بنا دیا جائے گا۔''

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جس دن سے میں نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے، ان بارہ رکعتوں کو کبھی نہیں چھوڑا۔ (صحیح مسلم: ۷۲۸)

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر مثالی نوحہ و بین کرنا چاہتی تھیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا: ''اے ام سلمہ! جس گھر سے اللہ تعالیٰ نے شیطان کو نکال دیا تھا تم اسے دوبارہ اس گھر میں لانا چاہتی ہو۔'' سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: یہ سن کر میں نے ارادہ بدل دیا۔ (صحیح مسلم: ۹۲۲)

سیدہ ہاجرا علیہا السلام کو جب بے سروسامانی کے عالم میں جنگل و بیابان میں رہنے کا کہا گیا

تو انھوں نے کسی صورت ناگواری کا اظہار نہیں کیا بلکہ رضائے الٰہی سمجھتے ہوئے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی بھی خواتین اسلام کے لیے نمونہ ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و نبوت کو تسلیم کرنے کے بعد ہر مشکل گھڑی میں آپ کا ساتھ دیا اور کبھی آپ کو تنہائی کا احساس نہیں ہونے دیا۔

سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا نے تو دین اسلام پر اپنی جان تک قربان کر دی، یہ سب مثالیں موجودہ دور کی عورتوں کے لیے مشعلِ راہ ہیں کہ جو دین کے لیے قربانی تو درکنار دین ہی قربان کر دینا چاہتی ہیں، خود ساختہ حقوق کی آڑ میں اسلامی تعلیمات سے دور اور شریعت کی پابندی سے آزاد ہونا چاہتی ہیں۔ خاتون اوّل کی دوڑ میں خواتین جنت کی صف سے باہر نکلتی جا رہی ہیں۔

ہم امید کرتے ہیں کہ زیرِ نظر کتاب ''خواتین جنت'' کا مطالعہ ایسی عورتوں کی زندگی کا رخ بدل سکتا ہے، معصیت و نافرمانی سے اطاعت و اتباع کے راستے پر گامزن کر سکتا ہے۔ ان شاء اللہ۔

''خواتین جنت'' کے مؤلف برصغیر پاک و ہند کے معروف عالم شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی رحمہ اللہ ہیں۔ جناب محمد یوسف صدیقی اور قاری عمر فاروق راشد حفظہما اللہ نے تخریج وتہذیب کا فریضہ سرانجام دیا اور محترم عبدالواسع صاحب نے ڈیزائننگ اور محترم فیصل مقبول صاحب نے کمپوزنگ کے ذریعے سے کتاب کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ جزاھم اللہ خیراً۔

مکتبہ اسلامیہ حسب روایت کتاب کو ظاہری و باطنی خوبصورتی سے آراستہ کر کے آپ کے ہاتھوں میں پہنچا رہا ہے، ہماری یہ کاوش یقیناً لائق تحسین ہوگی۔ (ان شاء اللہ)

نیک عورتوں کا ذکرِ خیر

اچھے لوگوں کے حالات پڑھنے سننے سے دل میں سکون اور طبیعت میں نیکی کی تڑپ پیدا ہوتی ہے، قرآن مجید میں پہلے زمانے کے لوگوں کے حالات بھی ہیں، جن کو احسن القصص سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں فرماتا ہے:

﴿وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ﴾[1]

''پہلے زمانے کے رسولوں کے واقعات ہم آپ کے سامنے اس لیے بیان کرتے ہیں تاکہ آپ کے دل کو مطمئن کر دیں۔''

یعنی ان نبیوں اور رسولوں کے واقعات اس لیے بیان کیے جاتے ہیں تاکہ آپ کے دل میں سکون اور چین پیدا ہو جائے اور اس دلی جمعیت اور قلبی راحت و سکون سے پریشانیاں دور ہو جائیں۔ اگر سید الرسل ﷺ کی دل جمعی کے لیے پہلے رسولوں کی سیرت بیان کی گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام انسانوں کی اخلاقی، اقتصادی، مذہبی اور سیاسی حالت کی اصلاح کے لیے پہلے زمانے کے نیک لوگوں کے حالات کا ذکر فائدے سے خالی نہیں اور خصوصاً عورتوں کے حالات کہ جو آج سب سے زیادہ خراب ہو چکے ہیں، ان کی اصلاح انتہائی ضروری ہے، ان کے سدھر جانے سے سب سدھر جائیں گے، یہ نیکی اور بدی کا سرچشمہ ہیں، بناؤ بگاڑ ان ہی کی وجہ سے ہوتا ہے، کیونکہ مائیں اپنے بچوں کے حلق میں صرف دودھ ہی نہیں اتارتیں بلکہ اخلاق و عادات کی گھٹی بھی پلاتی ہیں، اگر اب بھی مائیں دودھ کے ساتھ اخلاق حسنہ اور عادات حمیدہ کی گھٹی بھی پلاتی جائیں تو ساری نسل بہترین سانچے میں ڈھل کر خیر البریہ کی مصداق ہو جائے گی، اگر اس دودھ کے ساتھ

[1] 11/ھود: 120.

اخلاق ذمیمہ اور خصائل رذیلہ کا قطرہ ٹپکایا جائے گا تو پھر شرالبریہ بن کر وہی نسل اسفل السافلین ہو جائے گی۔

پہلے زمانے کی ماؤں، بہنوں کے اخلاقی، اقتصادی، مذہبی، دینی، سیاسی اور عملی کارنامے بہت مشہور ہیں، اگر یہ انہیں پڑھیں، سمجھیں اور عمل کریں تو عین ممکن ہے کہ یہ سدھر جائیں اگر یہ سدھر گئیں تو ساری قوم سدھر جائے گی۔

اس کتاب میں سعادت مند ماؤں اور بہنوں کے سچے حالات ہیں جو خواتین کی اصلاح کی غرض سے لکھے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ سب عورتوں کی اصلاح کر کے انہیں صحیح معنوں میں خواتین جنت بنائے۔آمین یارب العالمین۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

سیدہ حوّا ﷞

اللہ تعالیٰ نے سیّدنا آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور انہیں جنت میں سکونت بخشی، آپ علیہ السلام جنت میں تنہا تھے، کوئی مونس و غم خوار نہ تھا، ایک مرتبہ سوئے ہوئے تھے کہ اسی حالت میں ان کی بائیں پسلی سے اللہ تعالیٰ نے سیدنا حوا ﷞ کو پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا﴾[1]

''اللہ وہی تو ہے کہ جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کے آرام کے لیے اس کی بیوی کو پیدا کیا۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِنَّ الْمَرْاَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ»[2]

''عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔''

سیدہ حوّا ﷞ کے پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم و حوا علیہما السلام کا آپس میں نکاح کر دیا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ قُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا ۪ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾[3]

''اور ہم نے کہا: اے آدم! تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو بلا روک ٹوک فراغت سے کھاؤ البتہ فلاں درخت کے پاس مت

① 7/الاعراف: 189. ② صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب خلق آدم صلوات اللّٰه علیه وذریته: 3331؛ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیة بالنساء: 1468/59. ③ 2/البقرہ: 35.

جانا، وگرنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔“

چونکہ ابلیس یعنی شیطان، سیدنا آدم علیہ السلام کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا تھا اس لیے اس نے اپنے دل میں ٹھان لی کہ سیدنا آدم علیہ السلام کو بھی دھوکا دے کر جنت سے نکلوائے گا، چنانچہ شیطان اپنا بھیس بدل کر ان دونوں کے پاس آیا اور رونے لگا، وہ نہ پہچان پائے کہ یہ رونے والا کون ہے، لہٰذا دریافت کیا: تم کیوں روتے ہو؟ اس نے کہا: میں تم دونوں کی وجہ سے روتا ہوں، تم دونوں مر جاؤ گے اور جنت کی ساری نعمتیں جاتی رہیں گی، اس بات کی وجہ سے ان دونوں کو صدمہ ہوا، شیطان چلا گیا۔ دوسری مرتبہ آیا اور کہنے لگا: میں تمہیں ایک درخت بتاتا ہوں اگر اس میں سے کھالو تو کبھی نہیں مرو گے اور ہمیشہ جنت میں رہو گے۔ انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا، تب شیطان نے قسم کھا کر کہا: میں تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں، یہ دونوں بھولے بھالے اور سیدھے سادھے انسان تھے، شیطان کی قسم سے یہ خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم کوئی کیسے کھا سکتا، لہٰذا دھوکے میں آ گئے۔

فَبَادَرَتْ حَوَّاءُ اِلَى اَكْلِ الشَّجَرَةِ ثُمَّ نَاوَلَتْ اٰدَمَ فَاَكَلَ مِنْهَا

”پس سیدہ حوا رضی اللہ عنہا نے پہلے خود اس درخت سے کھایا، پھر آدم علیہ السلام کو اس سے کھلایا۔“

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب سیدہ حوا رضی اللہ عنہا کے کہنے میں آ کر سیدنا آدم علیہ السلام نے اس درخت سے کھا لیا تو دونوں کو اس نافرمانی کی پاداش میں جنت سے نکال دیا گیا اور دنیا میں بھیج دیا گیا، دنیا میں آ کر وہ بہت سی پریشانیوں میں پھنس گئے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے رہے (بالآخر) اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ [1]

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴾ [2]

”پس آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لیے (جن کے ذریعے سے انہوں نے اللہ سے معافی مانگی)، اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔“

① تفسیر الخاذن لباب التأویل فی معانی التنزیل: 1/38۔ ② البقرۃ: 2/37.

جو کلمات سیدنا آدم علیہ السلام نے سیکھے تھے، ان کا بیان خود قرآن مجید میں دوسری جگہ آیا ہے:

﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾[1]

''ان دونوں نے کہا: ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا، (اب) اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ فرمائے گا تو ہم یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

سیّدہ حوا رضی اللہ عنہا سب انسانوں کی پہلی ماں ہیں، انہی کے پیٹ سے سارے انسان پیدا ہوئے ہیں اگر سیدنا آدم علیہ السلام کو ممنوعہ درخت کے کھلانے پر آمادہ کرتیں نہ خود ہی کھاتیں تو سب جنت میں رہتے اور ہر قسم کی نعمتیں بلا محنت کھاتے پیتے اور کوئی تکلیف بھی نہ ہوتی۔ سیّدہ حوا رضی اللہ عنہا نے خود بھی کھایا اور آدم علیہ السلام کو بھی کھلایا جس کی پاداش میں دونوں کو جنت سے نکال دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَوْلَا بَنُو إِسْرَائِيلَ لَمْ يَخْنَزِ اللَّحْمُ، وَلَوْلَا حَوَّاءُ لَمْ تَخُنْ أُنْثَى زَوْجَهَا الدَّهْرَ))[2]

''اگر بنو اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت نہ سڑتا اور اگر سیدہ حوا خیانت نہ کرتیں تو کبھی کوئی عورت اپنے خاوند کی خیانت نہ کرتی۔''

آپ سیّدہ حوا رضی اللہ عنہا کے واقعے سے عبرت حاصل کریں، خدانخواستہ اگر کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً اپنے گناہ کا اقرار کرلیں، اس سے توبہ کریں اور آئندہ ایسے گناہ کے کرنے کا ارادہ نہ کریں اور نہ اپنے خاوند کو کسی ناجائز اور گناہ کے کام کرنے پر آمادہ کریں، اگر آپ اسے گناہ کے کام پر مجبور کر کے آمادہ کرلیں گی اور وہ آپ کی محبت میں آ کر گناہ کر بیٹھا تو اس گناہ کی نحوست سے آپ دونوں سزا کے مستحق ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو نیکی کی ہدایت نصیب فرمائے۔

[1] الاعراف 7/23. [2] صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللّٰہ تعالیٰ وواعدنا موسیٰ... : 3399؛ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب لولا حواء لم تخن...: 63/ 1470.

سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا

سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بیوی جبکہ سیدنا اسحاق علیہ السلام کی ماں ہیں۔ آپ نیک اور پرہیزگار خاتون تھیں، بڑھاپے تک کوئی اولاد نہ ہوئی، بڑھاپے میں فرشتوں نے اسحاق نامی بیٹے جبکہ یعقوب نامی پوتے کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی۔ یہ سن کر انہیں بڑا تعجب ہوا کہ بڑھاپے میں کیسے اولاد ہو سکتی ہے! فرشتوں نے جواب دیا: اللہ کے کام سے تعجب نہ کریں اللہ کی مہربانیاں آپ پر نازل ہوں، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس واقعے کو سورۂ ہود میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿ وَ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ ○ فَلَمَّا رَاٰۤ اَیْدِیَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْهِ نَكِرَهُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰی قَوْمِ لُوْطٍ ○ وَ امْرَاَتُهٗ قَآىِٕمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ○ قَالَتْ یٰوَیْلَتٰۤی ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ ○ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ﴾[1]

”ہمارے (بھیجے ہوئے جب) فرشتے ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس خوشخبری لے کر پہنچے تو سلام کہا، انہوں نے سلام کا جواب دیا اور بغیر کسی دیر کے بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لے آئے، اب جو دیکھا کہ ان کے تو ہاتھ اس (بچھڑے) کو نہیں لگ رہے، تو انہیں انجان پا کر دل ہی دل میں ان سے

[1] 11/ھود: 69، 73۔

خوف محسوس کرنے لگے، انہوں نے کہا: ڈرو نہیں! ہم تو قومِ لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں، ان کی بیوی (سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا) جو کھڑی ہوئی تھیں ہنس پڑیں، ہم نے اسے اسحاق (علیہ السلام) کی اور اسحاق (علیہ السلام) کے پیچھے یعقوب (علیہ السلام) کی خوشخبری دی، وہ کہنے لگیں آہ! میرے ہاں اولاد کیسے ہو سکتی ہے؟ میں اب پوری بڑھیا اور یہ میرے خاوند بھی بہت بڑی عمر کے ہیں، یہ تو یقیناً بڑے تعجب کی چیز ہے، انہوں نے کہا: کیا آپ قدرتِ الٰہی سے تعجب کر رہی ہیں؟ اے اس گھر کے لوگو! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں، بے شک اللہ قابل تعریف اور بڑی بزرگی والا ہے۔''

سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا کی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بڑی تعریف فرمائی ہے۔ یہ ان کی عظمت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بڑی خدمت گزار تھیں، آرام و تکلیف، سفر و حضر میں ساتھ دیتیں۔ جب کافروں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بہت ستایا تو اللہ کے حکم سے اپنی بیوی سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر ہجرت کر کے ملک شام کی طرف چلے، راستے میں ایک ظالم بادشاہ کے علاقے میں پہنچے، لوگوں نے اس ظالم بادشاہ کو خبر دی کہ یہاں ایک شخص آیا ہے اور اس کے ساتھ ایک خوبصورت عورت بھی ہے، اس ظالم بادشاہ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بلا بھیجا۔ آپ گئے اور آپ سے دریافت کیا گیا: یہ تمہارے ہمراہ عورت کون ہے؟ (چونکہ یہ ظالم بادشاہ جب کسی کے ہمراہ اس کی بیوی کو دیکھتا تو خاوند کو مروا کر اس کی بیوی کو چھین لیتا، البتہ اگر عورت کے ہمراہ باپ یا بھائی کو دیکھتا تو چھوڑ دیتا) سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: هَذِهِ أُخْتِي ''یہ میری بہن ہے۔'' بادشاہ کے پاس سے ہو کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام جب اپنی بیوی سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو فرمایا:

«يَا سَارَةُ! لَيْسَ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ مُؤْمِنٌ غَيْرِي وَغَيْرُكِ، وَإِنَّ هَذَا سَأَلَنِي فَأَخْبَرْتُهُ أَنَّكِ أُخْتِي، فَلَا تُكَذِّبِينِي» [1]

[1] صحيح البخاري، كتاب أحاديث ألانبياء، باب قول الله تعالىٰ واتخذ الله ابراهيم خليلاً: 3358.

"اے سارہ! میرے اور تیرے علاوہ روئے زمین پر کوئی مومن نہیں ہے، اس ظالم بادشاہ نے تمھاری بابت دریافت کیا تھا، میں نے تمھیں اپنی بہن بتایا ہے، لہٰذا تم مجھے جھٹلانا مت۔"

اس ظالم بادشاہ نے سپاہی بھیج کر سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا کو اپنے دربار میں بلایا، جب اس ظالم نے سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو ان کی طرف لپکا اور دست درازی کا ارادہ کیا، ادھر اس پارسا اور نیک خاتون کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس ظالم پر ایک ایسے عذاب کو نازل فرمادیا جس کی سزا میں وہ تڑپنے لگا، دست و پا میں کپکپی پیدا ہوگئی اور مرگی والوں کی طرح ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔

سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا کی اس کرامت کو دیکھ کر وہ ملعون بادشاہ بولا:

اُدْعِي اللّٰهَ لِيْ وَلَا اَضُرُّكِ.

"تم میرے چھٹکارے کے لیے اللہ سے دعا کرو، (میں اچھا ہو گیا تو) تمھیں کچھ نقصان نہ پہنچاؤں گا۔"

سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا نے سوچا کہ اگر یہ مر گیا تو لوگ کہیں گے کہ اس عورت نے اسے مار ڈالا ہے، لہٰذا اس ظالم کے لیے دعا کی تو وہ اچھا ہو گیا، لیکن اچھا ہونے کے بعد وہ اپنے قول سے پھر گیا اور دوبارہ سے چھیڑ خانی کرنے لگا اور شرارت پر اتر آیا، عذاب الٰہی نے اسے پھر پکڑ لیا اور اب کی دفعہ پہلے سے اس کی بری حالت ہوگئی، پھر عاجزی کرنے لگا اور اس پارسا سے دعا کی درخواست کی، سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا نے پھر دعا کی اور وہ دوسری دفعہ بھی اچھا ہو گیا۔

اس طرح تین دفعہ ہوا، بالآخر وہ عاجز آ کر جھنجھلا گیا اور اپنے ملازم کو بلا کر کہا: اِنَّكُمْ لَمْ تَأْتُوْنِيْ بِاِنْسَانٍ "تم میرے پاس کبھی کسی انسان کو نہیں لائے۔" یہ کوئی بھوت ہے، اسے یہاں سے لے جاؤ۔ جب سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچیں، اس وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، اشارے سے دریافت کیا: کیا حال ہے؟ سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

«رَدَّ اللّٰهُ كَيْدَ الْكَافِرِ ـ أَوِ الْفَاجِرِ ـ فِي نَحْرِهِ وَأَخْدَمَ هَاجَرَ»[1]

''اللہ نے کافر (یا فرمایا:) فاجر کے فریب کو اسی پر الٹ دیا ہے اور خدمت کے لیے ایک لونڈی ہاجرہ کو دلوا دیا ہے۔''

ملک شام پہنچنے کے بعد سیدنا اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے، اس کے بعد ان کے صاحبزادے سیدنا یعقوب علیہ السلام اور ان سے بنی اسرائیل اور بنی اسرائیل کے انبیا پیدا ہوئے۔ یہ بڑی نیک اور مبارک خاتون تھیں، جن کی نسل سے ہزاروں نبی پیدا ہوئے، آپ ان سے عبرت حاصل کریں کہ نیک عورتوں کی اللہ تعالیٰ کس طرح حفاظت فرماتا ہے اور خاوند کی فرمانبرداری کی وجہ سے کس طرح ان کی مصیبتیں دور کر دیتا ہے اور صبر کرنے سے اولادِ صالح عطا فرماتا ہے، نیکی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قیامت تک ان کا نام روشن رکھے گا۔

[1] صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللّٰہ تعالیٰ واتخذ اللّٰہ ابراھیم خلیلاً: 3358.

سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا

جس ظالم بادشاہ کا ذکر ابھی پیچھے ہوا ہے، اس نے سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو باندی بنا کر رکھا ہوا تھا، یہ بھی بہت عبادت گزار تھیں، جب یہ سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا کو رخصت کرنے لگا تو اس نے لونڈی ہاجرہ کو ان کی خدمت کے لیے دے دیا۔

سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا جب سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچیں تو سارا واقعہ بیان کیا اور سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بطور ہدیہ دے دیا اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ان سے نکاح کر لیا، ان سے سیدنا اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے، قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کیا ہے۔ ابھی سیدنا اسماعیل علیہ السلام دودھ پیتے بچے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو مکہ میں چھوڑ آؤ، جہاں اس وقت جنگل تھا اور کوئی آبادی نہ تھی البتہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں یہ بات مقدر تھی کہ مکہ کی آبادی سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی وجہ سے ہو گی۔ چنانچہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بچے اسماعیل علیہ السلام کو مکہ لے آئے۔ سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی تھیں۔

سیدنا ابرہیم علیہ السلام نے دونوں ماں بیٹے کو ایک بڑے درخت کے نیچے بٹھا دیا جو اس مقام پر تھا جہاں آج آب زم زم کا کنواں ہے، مکہ میں ان دنوں انسان کا نام و نشان بھی نہیں تھا اسی طرح اس وقت وہاں دانہ تھا نہ پانی، کچھ بھی نہیں تھا، سیدنا ابراہیم علیہ السلام ان دونوں کو وہاں چھوڑ گئے اور جاتے وقت صرف کھجوروں ایک کا تھیلا اور پانی کا ایک مشکیزہ دے گئے، جاتے وقت سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے پیچھے چلیں اور کہنے لگیں:

«يَا إِبْرَاهِيمُ! أَيْنَ تَذْهَبُ؟ وَتَتْرُكُنَا بِهَذَا الْوَادِي الَّذِي لَيْسَ فِيهِ إِنْسٌ وَلاَ شَيْءٌ؟ فَقَالَتْ لَهُ ذَلِكَ مِرَارًا، وَجَعَلَ لاَ يَلْتَفِتُ إِلَيْهَا، فَقَالَتْ لَهُ: اللَّهُ الَّذِي أَمَرَكَ بِهَذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَتْ: إِذَنْ لاَ يُضَيِّعُنَا، ثُمَّ رَجَعَتْ... الخ»[1]

"اے ابراہیم! آپ ہمیں اکیلے چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ یہاں آدمی ہے نہ کوئی اور چیز، ہاجرہ نے ان سے کئی دفعہ ایسا کہا، لیکن انہوں نے ادھر نہ دیکھا بالآخر ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے؟ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: ہاں، تب ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے کہا: (اب آپ جائیں کیونکہ) پھر اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا، پھر وہ واپس آ گئیں۔"

سیدنا ابراہیم علیہ السلام چلے گئے، جب اس پہاڑی پر پہنچے کہ جہاں سے وہ ایک دوسرے کو دکھلائی نہیں دیتے تھے تو ادھر دیکھا جہاں اب بیت اللہ ہے، وہیں ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اسماعیل علیہ السلام کو چھوڑ کر آئے تھے، لہٰذا دونوں ہاتھ اُٹھا کر یہ دعا فرمائی جو کہ قرآن مجید میں آئی ہے:

﴿ رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴾[2]

"اے ہمارے رب! میں نے اپنی بعض اولاد کو ایک بے آب و دانہ مکان میں بسا دیا ہے، جو تیرے عزت والے گھر کے پاس ہے، اے ہمارے رب! (میں نے یہ اس لیے کیا ہے تاکہ) یہ نماز قائم کریں، لہٰذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف پھیر دے اور انہیں طرح طرح کے پھل اور میوے کھلا، تاکہ وہ تیری شکر گزاری کرتے رہیں۔"

ادھر سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا یہ حال تھا کہ وہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو بھوک لگنے پر دودھ

[1] صحيح البخاري، كتاب أحاديث الانبياء، باب (يزفون) النسلان في المشي: 3364
[2] 14/ ابراهيم: 37.

اور پیاس لگنے پر مشکیزے میں سے پانی پلاتی رہیں، جب پانی ختم ہو گیا اور وہ خود بھی پیاسی ہوئیں اور بچے کو بھی پیاس لگی جب بچے کو دیکھا کہ وہ تو پیاس کے مارے تڑپ رہا ہے تو بچے کا یہ حال نہ دیکھ سکیں اور پانی کی تلاش میں صفا پہاڑ (جو بالکل قریب تھا) پر چڑھیں کہ شاید کوئی آدمی نظر آئے تو اس سے پانی مانگیں، لیکن کوئی نہ دکھائی دیا، وہاں سے اتریں اور اپنا کرتہ سمیٹ کر نالے کے نشیب میں اس طرح دوڑیں جیسے کوئی مصیبت زدہ دوڑتا ہے، نالے کے پار جا کر مروہ پہاڑ پر چڑھیں، وہاں بھی کوئی آدمی دکھائی نہ دیا، یہاں تک کہ سات چکر لگائے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگوں نے اس وقت سے ہی صفا مروہ کا پھیرا (حج) میں داخل کر لیا (پھر فرمایا) جب ہاجرہ رضی اللہ عنہا ساتویں پھیرے میں مروہ پر چڑھیں تو انھوں نے ایک آواز سنی، وہ اپنے آپ سے کہنے لگیں: چپ رہ، پھر کان لگایا تو وہی آواز سنی، اس وقت پکار اٹھیں کہ اے اللہ کے بندے! میں نے تیری آواز سن لی ہے کیا تو کچھ مدد کر سکتا ہے، پھر دیکھا تو جہاں آب زم زم ہے وہاں اللہ کے فرشتے جبرائیل علیہ السلام ملے۔ انہوں نے اپنی ایڑھی یا پاؤں مار کر زمین کھود ڈالی جس سے پانی نکل آیا۔ سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا حوض کی طرح اس کو بنانے لگیں، ہاتھ سے اس کے گرد منڈیر بنائی اور چلو میں پانی لے کر اپنے مشکیزے میں بھرتی جاتی، جیسے جیسے وہ پانی لیتی جاتی چشمہ اور جوش مارتا جاتا۔''[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ پر رحم کرے، اگر وہ زم زم کو اپنے حال پر چھوڑ دیتیں۔'' یا یوں فرمایا: ''اگر چلو بھر کر مشک میں نہ لیتیں تو (آج) آب زم زم ایک بہتا ہوا چشمہ ہوتا۔''[2]

سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے پانی خود بھی پیا اور اپنے بچے کو بھی پلایا، فرشتے نے ان سے کہا: آپ ڈریں مت، یہاں اللہ کا گھر ہے، یہ بچہ اور اس کا باپ مل کر اس گھر کو بنائیں گے۔

① صحیح البخاری، کتاب أحادیث ألانبیاء، باب یزفون: 3364. ② مسند أحمد: 21125.

اور اللہ اپنے گھر والوں کو تباہ نہیں کرتا۔ اس وقت کعبے کا یہ حال تھا کہ ٹیلے کی طرح زمین سے اونچا تھا، دائیں اور بائیں جانب سے برسات کا پانی نکلتا تھا۔

سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے کچھ مدت اسی طرح گزاری، چند روز کے بعد قبیلہ جرہم کے کچھ لوگ جو کدا سے آرہے تھے ادھر سے گزرے۔ جب وہ مکہ کے نشیب میں سے گزرے تو انہوں نے ایک پرندہ دیکھا جو وہاں گھوم رہا تھا۔ وہ کہنے لگے: یہ پرندہ تو ضرور پانی پر گھوم رہا ہے، پھر خود ہی کہنے لگے ہم تو اس میدان سے خوب واقف ہیں ہم نے یہاں کبھی پانی نہیں دیکھا۔ پھر بھی انہوں نے ایک یا دو آدمیوں کو خبر لینے کے لیے بھیجا۔ وہ آئے اور دیکھا کہ پانی تو واقعی موجود ہے، پھر اپنے لوگوں کے پاس گئے، اور انہیں پانی کی خبر دی تو وہ بھی آ گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسماعیل علیہ السلام کی والدہ وہیں بیٹھی تھیں۔ ان لوگوں نے کہا: کیا تم ہم لوگوں کو یہاں رہنے کی اجازت دیتی ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ضرور (ٹھہر سکتے ہو) مگر پانی پر تمہارا کوئی حق نہیں ہوگا۔ انہوں نے اس شرط کو قبول کر لیا۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جرہم کے لوگوں نے وہاں رہنے کی اجازت ایسے وقت میں مانگی جب خود اسماعیل علیہ السلام کی والدہ بھی یہ چاہتی تھیں کہ یہاں کوئی اور آبادی ہو جائے اور انسان کی صورت نظر آئے۔''

بہر حال جرہم کے لوگ وہاں ٹھہر گئے اور اپنے بال بچوں کو بھی بلا لیا، وہ بھی وہاں آباد ہو گئے، جب مکہ میں کئی گھر بن گئے اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو انہوں نے جرہم کے لوگوں سے عربی زبان بھی سیکھ لی اور ان کی نگاہ میں بہت اچھے انسان کے روپ میں جوان ہوئے جرہم کے لوگ ان سے محبت کرنے لگے اور اپنے خاندان کی ایک عورت سے ان کی شادی کر دی۔ [1]

اس واقعے سے آپ خود نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے جنگل میں رہنا پسند کیا اور اپنے خاوند سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی فرمانبرداری کی کہ جہاں

[1] صحیح البخاري، کتاب أحادیث ألانبیاء، باب یَزِفُّونَ: 3364.

وہ بسا گئے تھے وہیں رہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان سے بڑی بڑی برکتیں ظاہر فرمائیں۔ جنگل میں منگل ہوا، ان کی وجہ سے مکہ شہر آباد ہوگیا اور صفا مروہ کی دوڑ اور سعی، جو ان کی یادگار ہے، اب تک قائم ہے۔ ہر حاجی ان کی یادگار پر عمل کرتا ہے اور قیامت تک ان کی یہ یادگار قائم رہے گی۔

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کریں تو وہ قربانی کرنے کے لیے چلے، ان کے جانے کے بعد شیطان انسان کی شکل میں سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا یعنی اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: بڑی بی! آپ کو خبر بھی ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اسماعیل علیہ السلام کو کہاں لے گئے ہیں؟ وہ ذبح کرنے لے گئے ہیں، وہ ان کو اللہ کے راستے میں قربان کریں گے۔ سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: بوڑھے تیری عقل ماری گئی ہے، کبھی باپ بھی اپنے بیٹے کو ذبح کرتا ہے؟ شیطان نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا ہے کہ وہ اسماعیل کو ہمارے راستے میں ذبح کریں۔ اس پر سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تو پھر کوئی حرج نہیں اور ہمیں کوئی گلا نہیں، ہماری جان اللہ کے لیے حاضر ہے، [1] ان کی اس اطاعت اور صبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو ذبح ہونے سے بچالیا اور دنبے کی قربانی کرائی، یہ قربانی بھی ایک یادگار ہے جو ہر سال منائی جاتی ہے، لہٰذا آپ بھی اللہ کے حکموں پر چلیں اور صبر سے کام لیں۔

[1] تفسیر ابن کثیر: 4/ 439۔

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی شکر گزار بیوی

ابھی آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اپنے صاحبزادے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو ایک بنجر علاقے میں آباد کر کے ملک شام واپس چلے گئے تھے۔ ان کے چلے جانے کے بعد جرہم قبیلے والے مکہ میں آئے اور سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے پاس آباد ہو گئے اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام جب جوان ہوئے تو جرہم قبیلے کی ایک لڑکی سے نکاح کر لیا۔ لیکن دنیاوی حیثیت سے بڑی تنگدستی تھی، شکار وغیرہ سے گزر اوقات کرتے تھے، ایک مرتبہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام شکار کے لیے باہر تشریف لے گئے، اتفاق سے ان کی عدم موجودگی میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے صاحبزادے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے گھر پر آئے۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی بیوی یعنی اپنی بہو سے دریافت کیا: سیدنا اسماعیل علیہ السلام کہاں ہیں؟ بیوی نے جواب دیا: روزی کی تلاش میں گئے ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: تمہارا گزر بسر کیسا ہو رہا ہے؟ اس نے جواب دیا: زندگی بہت تنگی سے گزر رہی ہے۔ غرض ان سے خوب شکایت کی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کہا: جب تمہارے خاوند آجائیں تو میری طرف سے انہیں سلام کہنا اور پیغام دینا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل ڈالو۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام یہ کہہ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ جب سیدنا اسماعیل علیہ السلام گھر آئے تو اپنے باپ کی خوشبو محسوس کی، بیوی سے دریافت کیا: کیا کوئی آیا تھا؟ اس نے جواب دیا: ایسی ایسی صورت والا ایک بوڑھا آیا تھا۔ اس نے آپ کے بارے میں پوچھا، میں نے کہہ دیا کہ وہ تو روزی کی تلاش میں گئے ہیں۔ پھر مجھ سے پوچھا: تمہارا گزر بسر کیسا ہو رہا ہے؟ میں نے کہا: تنگی اور تکلیف سے۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا: انہوں نے اور بھی کچھ کہا تھا؟ اس نے کہا: انہوں نے آپ کو سلام کہا ہے اور پیغام دیا ہے کہ اپنے دروازے کی

چوکھٹ بدل ڈالو۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا: وہ میرے والد تھے اور انہوں نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہیں طلاق دے دوں، لہٰذا اب تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ۔

سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے اس کو طلاق دے دی اور جرہم کی ایک دوسری عورت سے نکاح کر لیا۔ پھر اللہ کو جتنے دن منظور تھا سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے ملک میں ٹھہرے رہے، اس کے بعد پھر آئے تو سیدنا اسماعیل علیہ السلام پھر گھر میں نہ ملے۔ وہ ان کی دوسری بیوی کے پاس گئے، پوچھا: اسماعیل کہاں ہے؟ اس نے کہا: روزی کی تلاش میں گئے ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: تمہارا کیا حال ہے؟ تمہارا گزر بسر کیسا ہو رہا ہے؟ اس نے کہا: اللہ کا شکر ہے، ہم بہت خیر و خوبی کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں، سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: تم کھاتی کیا ہو؟ اس نے کہا: گوشت۔ پوچھا: پیتی کیا ہو؟ اس نے کہا: پانی، پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی: اے اللہ! ان کے گوشت اور پانی میں برکت نازل فرما۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان دنوں مکہ میں اناج کا نام تک نہ تھا، اگر ہوتا تو ابراہیم علیہ السلام اس میں بھی برکت کی دعا کرتے۔'' ایک اور روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ خاصیت اللہ نے مکہ ہی میں رکھی ہے، اگر دوسرے ملک والے صرف گوشت اور پانی پر گزارا کریں تو بیمار ہو جائیں۔''

بہر حال سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس نیک بخت بہو سے فرمایا: جب تمہارے خاوند آ جائیں تو میری طرف سے انہیں سلام کہنا اور میرا پیغام دینا کہ یہ چوکھٹ بہت عمدہ ہے، اس کو حفاظت سے رکھو۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام یہ کہہ کر روانہ ہو گئے، جب سیدنا اسماعیل علیہ السلام گھر میں آئے تو باپ کی خوشبو پا کر اپنی بیوی سے اس بابت دریافت کیا، بیوی نے کہا: وہ آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے، میں نے جواب دیا کہ وہ باہر گئے ہیں۔ انہوں نے پوچھا: تمہارا گزر بسر کیسا ہو رہا ہے؟ میں نے کہا: بہت اچھی طرح۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا: اور بھی کچھ کہا ہے؟ بیوی نے کہا: ہاں، آپ کو سلام کہہ رہے تھے اور یہ کہا ہے کہ تمہارے دروازے کی چوکھٹ بڑی عمدہ ہے، اسے حفاظت سے رکھنا۔ تب سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے کہا: وہ بزرگ میرے والد تھے اور انہوں نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں

تمہیں اپنی زوجیت میں ہی رکھوں۔[1]

یہ صابرہ وشاکرہ بیوی سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی خدمت میں رہیں، سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی ان سے بہت خوش رہتے تھے اور یہی ہمارے نبی کریم ﷺ کی دادی ہوئیں، اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾[2]

''اگر تم شکر کروگے تو میں تمہیں اور زیادہ (نعمتوں سے) نوازوں گا۔''

شکر نعمت نعمت افزوں کند

کفر نعمت از کفت بیرون کند

آپ نے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ پہلی بیوی کو ناشکری کی وجہ سے سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے اپنی زوجیت سے علیحدہ کردیا اور وہ سب بھلائیوں سے محروم ہوگئی جبکہ دوسری شکر گزاری کی وجہ سے زوجیت میں رہی اور نبی کریم ﷺ کی دادی بنی، لہٰذا آپ بھی صبرو شکر سے کام لیں اور نیک وفرمانبردار بننے کی کوشش کریں۔

[1] صحیح البخاري، کتاب أحادیث ألانبیاء، باب یزفون: 3364.

[2] 14/ ابراهیم: 7.

سیدنا ایوب علیہ السلام کی صابرہ بیوی

سیدنا ایوب علیہ السلام اللہ کے نبی تھے، آپ کو شدید قسم کی بیماری لگ گئی، سب ملنے جلنے والوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ صرف آپ کی بیوی سیدہ رحمت رضی اللہ عنہا مصیبت کے وقت بھی آپ کے ساتھ رہیں، سیدنا ایوب علیہ السلام کا اجمالی بیان قرآن مجید میں یوں آیا ہے:

﴿ وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴾[1]

''اور (یاد کریں) ایوب کی اس حالت کو کہ جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے یہ بیماری لگ گئی اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، چنانچہ ہم نے اس کی دعا سن لی اور جو دکھ انہیں تھا اسے دور کر دیا اور ہم نے اسے اہل وعیال بھی عطا فرمائے، بلکہ ان کا ساتھ اپنی خاص مہربانی سے دیا تاکہ سچے بندوں کے لیے نصیحت کا باعث ہو۔''

اس آیت کریمہ میں سیدنا ایوب علیہ السلام کی تکلیفوں کا بیان ہے جو عائلی، مالی اور جسمانی تھیں۔ ان کے پاس قسم قسم کے جانور تھے، کھیتیاں، باغات، اولاد، بیویاں، غلام، لونڈیاں، جائیداد اور مال ومتاع الغرض اللہ کا دیا ہوا سب کچھ موجود تھا۔

اب جو رب کی طرف سے آزمائش آئی تو سب کچھ فنا ہوتا گیا، یہاں تک کہ جسم میں بھی جزام پھوٹ پڑا اور زبان کے سوا سارے جسم کا کوئی حصہ اس مرض سے محفوظ نہ رہا۔ یہاں تک کہ آس پاس والے بھی گھن محسوس کرنے لگے، آپ شہر کے ایک کونے میں سکونت

[1] 21/ الانبیاء: 83-84.

اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے، آپ کی ایک بیوی کے سوا اور کوئی آپ کے پاس نہ رہا، اس مصیبت کی گھڑی میں سب نے کنارہ کر لیا، ایک یہی تھیں جو ان کی خدمت کرتی تھیں۔

نبی کریم ﷺ نے سچ فرمایا ہے: ''سب سے بڑا اور سخت امتحان نبیوں کا ہوتا ہے، پھر نیک لوگوں کا، پھر ان سے کم درجے والوں کا۔''[1] ایک اور حدیث میں ہے: ''ہر شخص کا امتحان اس کے دین کے اندازے سے ہوتا ہے، اگر وہ اپنے دین میں مضبوط ہے تو امتحان بھی سخت ترین ہوتا ہے۔''[2]

سیدنا ایوب علیہ السلام بڑے ہی صابر تھے، حتی کہ صبرِ ایوب کا تذکرہ زبانِ زد عام ہے۔ سیدنا یزید بن میسرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کی آزمائش شروع ہوئی تو اہل و عیال مر گئے، مال فنا ہو گیا، کوئی چیز ہاتھ تلے باقی نہ رہی۔ آپ اللہ کے ذکر میں اور بڑھ گئے اور کہنے لگے: اے پالنے والوں کے پالنے والے! تو نے مجھ پر بڑے بڑے احسان کیے، مال دیا، اولاد دی، اس وقت میرا دل بہت مشغول تھا، اب میرے دل اور تیرے درمیان میں کوئی رکاوٹ نہیں رہی، اگر میرا دشمن ابلیس تیری اس مہربانی کو جان لیتا تو وہ میرا بہت بڑا حاسد بن جاتا، ابلیس لعین اس قول اور اس وقت کی اس حمد و ثنا سے جل بھن کر رہ گیا۔ آپ کی دعاؤں میں یہ دعا بھی تھی کہ الٰہی جب تو نے مجھے تونگر، اولاد اور اہل و عیال والا بنا رکھا تھا تو خوب جانتا ہے کہ میں نے اس وقت بھی کبھی غرور کیا نہ کسی پر ظلم و ستم کیا۔ اے میرے پروردگار! تو بخوبی واقف ہے کہ میرا نرم و گرم بستر تیار ہوتا اور میں اس پر تیری عبادتوں میں رات گزارتا اور اپنے نفس کو ڈانٹ دیتا کہ تو اس لیے نہیں پیدا کیا گیا کہ میں تیری رضا مندی کی طلب میں رہوں، بلکہ میں اپنے راحت و آرام کو ترک کر دیا کرتا تھا۔[3]

سیدنا ایوب علیہ السلام کو بہت بڑے امتحان سے گزرنا پڑا، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ پر رحم و کرم تمام بلاؤں سے نجات بخشی، اجر دیا اور تعریفیں کیں، وہب بن منبہ کا بیان ہے۔

[1] سنن الترمذی، ابواب الزهد، باب ماجاء فی الصبر علی البلاء:2398.
[2] سنن ابن ماجه، کتاب الفتن، باب الصبر علی البلاء:4023. [3] حلیة الأولیاء وطبقات الأصفهاء: 239/6.

کہ پورے تین سال تک آپ اس تکلیف میں مبتلا رہے، سارا گوشت جھڑ گیا، صرف ہڈیاں اور چمڑا رہ گیا۔ آپ راکھ میں پڑے رہتے، صرف آپ کی ایک بیوی آپ کے پاس رہیں۔ جب کافی وقت گزر گیا تو ایک روز عرض کرنے لگیں: اے اللہ کے نبی! آپ اللہ سے دعا کیوں نہیں کرتے کہ وہ اس مصیبت کو ہم سے ٹال دے۔ آپ فرمانے لگے: بیوی صاحبہ سنو! ستر سال تک اللہ نے مجھے صحت و عافیت میں رکھا، اگر ستر برس تک اس حال میں رہوں اور صبر کروں تو بھی کم ہے، اس پر بیوی صاحبہ کانپ اٹھیں، اب وہ نیک بخت بیوی روزانہ شہر میں جاتیں، کام کاج کرتیں، جو ملتا لے آتیں اور خود آپ کو کھلاتیں پلاتیں۔

آپ کے دو خیر خواہ دوست تھے، انہیں فلسطین میں جا کر شیطان نے خبر دی کہ تمہارا دوست بہت سخت تکلیف میں ہے، جاؤ اور ان کی خبر گیری کرو اور اپنے یہاں سے کچھ شراب ساتھ لے جاؤ، وہ پلا دینا، اس سے انہیں شفا ہو جائے گی، چنانچہ وہ دونوں آئے، سیدنا ایوب علیہ السلام کی حالت دیکھتے ہی ان کے آنسو نکل آئے، بلبلا کر رونے لگے، آپ نے پوچھا: تم کون ہو؟ انہوں نے یاد دلایا تو آپ خوش ہوئے، انہیں خوش آمدید کہا تو وہ کہنے لگے: شاید آپ کچھ چھپاتے ہیں اور بظاہر اس کے خلاف کرتے ہیں۔ آپ نے اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا: اللہ خوب جانتا ہے کہ میں کیا چھپاتا تھا اور کیا ظاہر کرتا تھا۔ میرے رب نے مجھے اس میں مبتلا کیا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ میں صبر کرتا ہوں یا بے صبری۔ انہوں نے کہا: اچھا ہم آپ کے لیے شراب لائے ہیں، اسے پی لیجیے، شفا ہو جائے گی، یہ سنتے ہی آپ سخت غضب ناک ہو گئے اور فرمایا: تمہیں شیطان خبیث لایا ہے، تم سے کلام کرنا، تمہارا کھانا پینا مجھ پر حرام ہے، بالآخر وہ دونوں آپ کے پاس سے چلے گئے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ کی بیوی نے ایک گھر والوں کی روٹیاں پکائیں، ... ایک بچہ سویا ہوا تھا، لہٰذا انہوں نے اس بچے کے حصے کی روٹیاں انہیں دے دیں، یہ لے کر آپ سیدنا ایوب علیہ السلام کے پاس آئیں، آپ نے کہا: آج یہ کہاں سے لے آئی ہیں؟

انہوں نے سارا واقعہ کہہ سنایا، آپ نے فرمایا: ابھی واپس جاؤ، ممکن ہے کہ بچہ جاگ گیا ہو، ٹکیا کی ضد کرتا ہو اور رو رو کر سارے گھر والوں کو پریشان کر رہا ہو، آپ روٹی لے کر واپس چلیں۔

ان کی ڈیوڑھی میں ایک بکری بندھی ہوئی تھی، اس نے زور سے آپ کو ٹکر ماری، آپ کے منہ سے نکل گیا: دیکھو ایوب کتنے غلط خیال والے ہیں، جب اس گھر میں گئیں تو دیکھا کہ واقعی بچہ جاگا ہوا، ٹکیا کے لیے مچل رہا ہے اور گھر بھر کے ناک میں دم کر رکھا ہے، یہ دیکھ کر زبان سے بے ساختہ نکلا کہ اللہ ایوب علیہ السلام پر رحم کرے، اچھے موقعے پر پہنچی ہوں پھر ٹکیا دی اور واپس لوٹ آئیں، راستے میں شیطان بصورت طبیب ملا، کہنے لگا: تیرا خاوند سخت تکلیف میں ہے، پر مدتیں بیماری میں گزر گئیں، تم انہیں سمجھاؤ کہ فلاں قبیلے کے نام پر ایک مکھی مار دیں، شفا ہو جائے گی، پھر توبہ کر لیں۔ جب آپ سیدنا ایوب علیہ السلام کے پاس پہنچیں تو ان سے یہ سارا واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا: تجھ پر بھی شیطان خبیث کا جادو چل گیا ہے، اگر میں تندرست ہو گیا تو تجھے سو کوڑے ماروں گا۔

ایک دن آپ حسب معمول تلاش معاش میں نکلیں، گھر گھر پھر آئیں لیکن کہیں کام نہ ملا، مایوس ہو گئیں، شام کو واپسی کے وقت سیدنا ایوب علیہ السلام کی بھوک کا خیال آیا تو آپ نے اپنے بالوں کی ایک لٹ اتار کر ایک امیر لڑکی کے ہاتھ فروخت کر دی۔ اس نے آپ کو کافی زیادہ کھانے پینے کا سامان دیا، جسے لے کر آپ آ گئیں۔

سیدنا ایوب علیہ السلام نے پوچھا: یہ آج اتنا سامان اور اتنا اچھا کھانا کہاں سے مل گیا ہے؟ فرمایا: میں نے ایک امیر گھر کا کام کر دیا تھا۔ آپ مطمئن ہو گئے اور کھانا کھا لیا، دوسرے دن بھی اتفاق سے ایسا ہی ہوا اور آپ نے اپنے بالوں کی دوسری لٹ کو کاٹ کر فروخت کر دیا اور کھانا لے آئیں، آج بھی وہی کھانا دیکھ کر سیدنا ایوب علیہ السلام نے فرمایا: واللہ میں ہرگز نہ کھاؤں گا! جب تک تو مجھے یہ نہ بتلا دے کہ یہ کیسے لائی ہے، اب آپ نے اپنا دوپٹہ سر سے اتار دیا، دیکھا کہ سر کے سب بال کٹ چکے ہیں، اس وقت سخت گھبراہٹ اور بے چینی ہوئی اور اللہ سے دعا کی:

﴿ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾[1]

"(اے میرے رب!) مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب سے زیادہ رحیم ہے۔"

جناب نوف البکالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شیطان سیدنا ایوب علیہ السلام کے پیچھے پڑا ہوا تھا، اس کا نام مبسوط تھا، سیدنا ایوب علیہ السلام کی بیوی عموماً آپ سے عرض کرتی تھیں کہ اللہ سے دعا کریں لیکن آپ نہ کرتے تھے، یہاں تک کہ ایک دن بنی اسرائیل کے کچھ لوگ آپ کے پاس سے نکلے اور آپ کو دیکھ کر کہنے لگے: اس شخص کو یہ تکلیف ضرور کسی نہ کسی گناہ کی وجہ سے ہے، اس وقت بے ساختہ آپ کی زبان سے یہ دعا نکلی۔

سیدنا عبداللہ بن عبیدہ بن عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ایوب علیہ السلام کے دو بھائی تھے، ایک دن وہ ملنے کے لیے آئے، لیکن جسم کی بد بو کی وجہ سے قریب نہ آ سکے، دور ہی سے کھڑے ہو کر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اگر اس شخص میں بھلائی ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے اس مصیبت میں نہ ڈالتا۔ اس بات نے سیدنا ایوب علیہ السلام کو وہ صدمہ پہنچایا کہ جو آج تک آپ کو کسی چیز سے نہ ہوا تھا، اس وقت کہنے لگے: الٰہی! کوئی رات مجھ پر ایسی نہیں گزری کہ کوئی بھوکا شخص میرے علم میں ہو اور میں نے پیٹ بھر کھالیا ہو، پروردگار! اگر میں اپنی اس بات میں تیرے نزدیک سچا ہوں تو میری تصدیق فرما، اسی وقت آسمان سے آپ کی تصدیق کی گئی جبکہ وہ دونوں سن رہے تھے، پھر فرمایا: پروردگار! کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میرے پاس ایک سے زائد کپڑے ہوں اور میں نے کسی ننگے کو نہ دیے ہوں، اگر میں اس میں سچا ہوں تو میری تصدیق آسمان سے اتار، اس پر بھی آپ کی تصدیق کی گئی جبکہ وہ دونوں سن رہے تھے، پھر یہ دعا کرتے ہوئے سجدے میں گر پڑے: اے اللہ! میں اس وقت تک سجدے سے سر نہیں اٹھاؤں گا جب تک کہ تو مجھے ان تمام مصیبتوں سے نجات نہ دے جو مجھ پر نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ دعا قبول ہوئی اور سجدے سے سر اٹھانے سے پہلے ہی وہ تمام تکلیفیں اور بیماریاں آپ سے دور ہو گئیں جو آپ پر نازل ہوئی تھیں۔

[1] 21/ الانبیاء: 83.

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سیدنا ایوب علیہ السلام اٹھارہ برس تک بلاؤں میں گھرے رہے، پھر ان کے دوستوں کے آنے کا اور بدگمانی کرنے کا ذکر ہے، جس کے جواب میں آپ نے فرمایا: میری یہ حالت تھی کہ اگر راستے میں چلتے ہوئے دو شخصوں کو جھگڑا کرتے دیکھتا اور ان میں سے کسی کو قسم کھاتے سن لیتا تو گھر آ کر اس کی طرف سے کفارہ ادا کر دیتا کہ ایسا نہ ہو اس نے اللہ کا نام بے حق لیا ہو۔

آپ اپنی اس بیماری میں اس قدر نڈھال ہو گئے تھے کہ آپ کی بیوی آپ کا ہاتھ پکڑ کر پیشاب پاخانہ کے لیے لے جایا کرتیں، ایک مرتبہ آپ کو حاجت تھی، آپ نے آواز دی لیکن انہیں آنے میں دیر لگی۔ آپ کو سخت تکلیف ہوئی، اس وقت آسمان سے ندا آئی اے ایوب! اپنی ایڑی زمین پر مارو، پھر وہاں سے جو پانی نکلے اسے پیو بھی اور اسی سے نہاؤ بھی۔[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے جنتی چغہ نازل فرمایا۔ جسے پہن کر آپ یکسو ہو کر بیٹھ گئے، جب آپ کی بیوی آئیں اور آپ کو نہ پہچان سکیں تو آپ سے پوچھنے لگیں: اے اللہ کے بندے! یہاں ایک بیمار آدمی تھے، تمہیں معلوم ہے کہ وہ کہاں گئے، کہیں انہیں بھیڑیئے نہ کھا گئے ہوں یا کتے نہ لے گئے ہوں، تب آپ نے فرمایا: نہیں، میں ہی وہ بیمار ایوب ہوں، بیوی کہنے لگیں: اے شخص! تو مجھ دکھیا عورت سے مذاق کر رہا ہے اور مجھے بے وقوف بنا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: نہیں نہیں، اللہ نے مجھے شفا دے دی ہے اور یہ رنگ وروپ بھی مجھے اسی نے بخشا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کا مال بھی واپس دے دیا، آپ کی وہی اولاد بھی آپ کو واپس مل گئی اور ان کے ساتھ ویسے ہی اور بھی، وحی میں آپ کو یہ بھی خوشخبری سنا دی گئی تھی کہ قربانی کرو اور استغفار کرو، آپ گھر والوں نے آپ کے بارے میں نافرمانی کی تھی

---

[1] المستدرك للحاكم: 581/2، 582؛ مسند البزار: 2352، صحيح ابن حبان: 2898.

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ایوب علیہ السلام کو صحت و عافیت بخشی، آسمان سے ان کے اوپر سونے کی ٹڈیاں برسائیں، جنھیں لے کر آپ نے اپنے کپڑے میں جمع کرنا شروع کر دیا تو آسمان سے آواز آئی: اے ایوب! آپ ابھی تک آسودہ نہیں ہوئے؟ آپ نے جواب دیا: اے اللہ! تیری رحمت سے کون آسودہ ہوسکتا ہے۔[1]

حدیث میں ہے کہ آپ سے فرمایا گیا: آپ کے سب اہل وعیال جنت میں ہیں، اگر آپ کہیں تو سب کو یہاں دنیا میں لا دوں، اگر آپ کہیں تو وہیں رہنے دوں اور دنیا میں اس کا عوض دوں، آپ نے دوسری بات پسند فرمائی، پس آخرت کا اجر اور دنیا کا بدلہ دونوں آپ کو ملے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''یہ سب کچھ ہماری رحمت کا ظہور تھا اور ہمارے سچے عابدوں کے لیے نصیحت اور عبرت تھی۔'' آپ اہل بلا کے پیشوا تھے، یہ تمام اس لیے ہوئیں کہ مصیبتوں میں پھنسے ہوئے لوگ اپنے لیے آپ کی ذات میں عبرت دیکھیں، بے صبری اور ناشکری نہ کرنے لگیں اور لوگ انہیں اللہ کے برے بندے نہ سمجھیں۔ سیدنا ایوب علیہ السلام صبر کا پہاڑ اور ثابت قدمی کا نمونہ تھے، اس امتحان میں انسان کو اللہ کے مقدورات پر صبر کرنا چاہیے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے سورۂ ص میں فرمایا:

﴿وَ اذْكُرْ عَبْدَنَاۤ اَیُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ ۝ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ ۝ وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَ ذِكْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ وَ خُذْ بِیَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَ لَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ﴾[3]

''ہمارے بندے ایوب کو یاد کیجیے! جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے رنج اور دکھ پہنچایا ہے (تو ہم نے کہا:) اپنا پاؤں مارو، یہ نہانے

[1] المستدرك للحاكم: 582/2. [2] تفسیر ابن کثیر اردو مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ: 478/3، 481.
[3] 38/ ص: 41-44۔

اور پینے کا ٹھنڈا پانی ہے اور ہم نے اسے پورا کنبہ عطا کیا اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی رحمت سے اس جیسا بھی، عقلمندوں کے لیے نصیحت ہے اور تم اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک جھاڑو لے کر مارو اور قسم کے خلاف مت کرو، ہم نے ایوب علیہ السلام کو بڑا صابر بندہ پایا، کیا ہی خوب عبادت گزار تھے، وہ بڑی رغبت کرنے والے تھے۔"

سیدنا ایوب علیہ السلام کے صبر کا بیان قرآن مجید میں دو جگہ آیا ہے۔ مصیبت کی اس گھڑی میں آپ کی بیوی نے بڑے صبر اور ہمت سے کام لیا، سیدنا ایوب علیہ السلام کے زخموں کو دھوتیں، خون اور پیپ کو صاف کرتیں اور آپ کو کھلانے پلانے کے لیے محنت مزدوری کرتیں اور صدہا مصیبتوں کے باوجود سیدنا ایوب علیہ السلام کی خدمت کرتیں۔

سبحان اللہ! کیا ہی صابرہ بیوی تھیں، آپ ان سے عبرت حاصل کریں۔ اگر آپ ہر دکھ و مصیبت میں اپنے خاوند کی مدد اور خدمت کریں گی تو صابرہ ہو کر جنت میں داخلہ پائیں گی۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام یوخاند رضی اللہ عنہا ہے، آپ فرعون کے زمانے میں تھیں، فرعون بڑا ظالم بادشاہ تھا، اس نے ایک خواب دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ بھڑکی ہے جو مصر کے ہر قبطی کے گھر میں گھس گئی اور بنی اسرائیل کے مکانوں میں نہیں گئی، جس کی تعبیر یہ تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگا کہ جس کے ہاتھوں فرعون کی سلطنت برباد ہو جائے گی اور اسے اس کے خدائی دعوے کی بدترین سزا ملے گی۔ اس لیے فرعون نے اپنی سلطنت کے چاروں طرف یہ احکام جاری کروا دیے کہ بنی اسرائیل کے ہاں جو بچے پیدا ہوں ان کی سرکاری طور پر دیکھ بھال کی جائے، اگر لڑکا پیدا ہو تو قتل کر دیا جائے اور لڑکی پیدا ہو تو چھوڑ دی جائے۔ اسی طرح بنی اسرائیل کے ہزاروں بچے قتل کر دیے اور بنی اسرائیل کو سخت کاموں میں لگا دیا، ایسے نازک وقت میں موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی پرورش ان کے ہاتھوں کرائی اور انہیں قتل سے بچایا، کیونکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بڑی نیک و فرمانبردار خاتون تھیں، انہیں الہام ہوتا تھا۔ قرآن مجید میں اللہ نے ان کا ذکر خیر یوں فرمایا ہے:

﴿وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ۝ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ۝ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَ عَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَ اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ۬ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ۝ اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ﴾[1]

''اور ہم نے تم پر دوسری بار احسان کیا، جب ہم نے تیری والدہ کو وہ الہام کیا

[1] طٰہٰ/20: 37-40.

کہ اسے صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیں، دریا اسے کنارے لا ڈالے گا اور میرا خود اس کا دشمن اسے پکڑ لے گا اور میں نے اپنی طرف سے خاص محبت تجھ پر ڈال دی، تا کہ تیری پرورش میری آنکھوں کے سامنے کی جائے، جب تیری بہن چل رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ اگر تم کہو تو میں ایسے گھرانے کی طرف تمہاری رہنمائی کروں جو اس کی نگہبانی کرے، اس تدبیر سے ہم نے تجھے تیری ماں کے پاس پہنچا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور غمگین نہ ہوں۔"

تفسیر ابن کثیر میں اس آیت کی تفسیر یوں لکھی ہے کہ ہم نے تیرے بچپن کے وقت تیری والدہ کی طرف وحی بھیجی، جس کا اب تم سے بیان ہو رہا ہے، تم اس وقت دودھ پیتے بچے تھے، تمہاری والدہ کو فرعون اور فرعونیوں کا کھٹکا تھا، کیونکہ اس سال وہ بنو اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کر رہے تھے، اس خوف کے مارے وہ ہر وقت کانپتی رہتی تھیں، تو ہم نے وحی کی کہ ایک صندوق بنا لو، دودھ پلا کر بچے کو اس میں لٹا کر دریائے نیل میں چھوڑ آؤ۔

چنانچہ وہ یہی کرتی رہیں۔ ایک رسی اس میں باندھ رکھی تھی جس کا ایک سرا اپنے مکان میں باندھ لیتی تھیں۔ ایک مرتبہ باندھ رہی تھیں کہ رسی ہاتھ سے چھوٹ گئی اور صندوق کو پانی کی موجیں بہا لے گئیں۔ اب تو تمہاری والدہ کلیجہ تھام کر رہ گئیں اور اس قدر غم زدہ ہوئیں کہ صبر ناممکن تھا، (آپ کے ڈوبنے کا) اظہار کر دیتیں لیکن ہم نے ان کا دل مضبوط کر دیا۔ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس سے گزرا۔ آل فرعون نے اسے اٹھا لیا (حالانکہ) جس غم سے وہ بچنا چاہتے تھے اور جس صدمے سے وہ محفوظ رہنا چاہتے تھے وہی ان کے سامنے آ گیا، جس کی شمع حیات بجھانے کے لیے بے گناہ معصوموں کا قتل عام کر رہے تھے، وہ انہی کے تیل سے ان کے ہاں روشن ہو اور اللہ کے ارادے بے روک پورے ہوئے، ان کا دشمن انہی کے ہاتھوں پلا، انہی کا کھایا، انھی کے ہاتھوں تربیت پائی، خود فرعون اور ان کی اہلیہ نے جب بچے کو دیکھا تو رگ رگ میں محبت سما گئی، ان کی پرورش کرنے لگے، آنکھوں کا تارا سمجھنے لگے، شہزادوں کی طرح ناز و نعم سے پلنے لگے اور شاہی دربار میں رہنے لگے۔

اللہ نے اپنی محبت تجھ پر ڈال دی، گو فرعون تمہارا دشمن تھا لیکن رب کی بات کون بدلے، اللہ کے ارادے کون ٹالے اور جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ فرعون پر ہی کیا منحصر ہے، جو بھی دیکھتا آپ کا والی و شیدا بن جاتا، یہ اس لیے تھا کہ تیری پرورش میری نگاہ کے سامنے ہو، اور تم عزت و وقعت کے ساتھ رہو۔[1]

فرعون کے لوگوں نے صندوق اٹھا لیا، کھولا تو اندر بچے کو دیکھا، پالنے کا ارادہ کیا، لیکن دایہ کا دودھ پینا تو درکنار منہ تک نہیں لگاتے تھے، بہن جو صندوق کو دیکھتی بھالتی کنارے کنارے آ رہی تھی وہ بھی موقعے پر پہنچ گئی، کہنے لگی: آپ اگر اس کی پرورش کی تمنا کرتے ہیں اور معقول اجرت بھی دیتے ہیں تو میں ایک گھرانہ بتلاؤں جو اسے محبت سے پالے اور خیر خواہانہ برتاؤ کرے، سب نے کہا: ہم تیار ہیں۔

آپ انہیں لے کر اپنی والدہ کے پاس پہنچیں، جب بچہ ان کی گود میں ڈالا گیا، تو بچے نے جھٹ منہ لگا کر دودھ پینا شروع کر دیا، جس سے فرعون کے ہاں بڑی خوشیاں منائی گئیں اور بہت کچھ انعام و اکرام دیا گیا، تنخواہ مقرر ہو گئی، اپنے ہی بچے کو دودھ پلائیں اور تنخواہ و انعام، عزت و اکرام بھی پائیں، دنیا بھی ملے دین بھی بڑھے، اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اپنے کام کو کرے اور نیک نیتی سے کرے اس کی مثال ام موسیٰ کی مثال ہے کہ اپنے ہی بچے کو دودھ پلائے اور اجرت بھی لے۔[2] پس یہ بھی ہماری کرم فرمائی ہے کہ ہم نے تجھے تیری ماں کی گود میں واپس کیا، اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور رنج و غم جاتا رہے۔[3]

اس واقعے سے آپ نصیحت حاصل کریں کہ جو اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے اللہ اس کی ضرور مدد کرتا ہے، اس کی تکلیف اور پریشانی کو دور کرتا ہے، دین و دنیا میں اس پر برکتیں نازل فرماتا ہے اور اس کی یادگار کو قیامت تک باقی رکھتا ہے، سب اس کی تعریف کرتے ہیں، اگر آپ بھی اللہ کی اطاعت کریں گی اور اس پر بھروسہ کریں گی تو یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کی بھی مدد کرے گا۔

① التفسير الطبري: 18/303. ② سنن الكبرى للبيهقي: 9/ 27۔
③ تفسیر ابن کثیر مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ: 3/405، 406.

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی بیوی

موسیٰ علیہ السلام کی بیوی کا نام صفورا رضی اللہ عنہا ہے، بعض مؤرخین کے بقول یہ سیدنا شعیب علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی ہیں، ان کی شادی کا واقعہ قرآن مجید میں منقول ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام ایک دفعہ لوگوں کی غفلت کے وقت شہر میں داخل ہوئے تو دو آدمیوں کو لڑتے جھگڑتے دیکھا، ایک اسرائیلی تھا جبکہ دوسرا قبطی تھا، اسرائیلی نے قبطی کی شکایت کی اور اس کا ظلم بیان کیا، جس پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آ گیا اور ایک گھونسہ دے مارا، جس سے وہ اسی وقت مر گیا۔ موسیٰ علیہ السلام گھبرا گئے اور کہنے لگے: یہ تو شیطانی کام ہے اور شیطان انسان کا کھلا دشمن اور گمراہ کرنے والا ہے، پھر اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرنے لگے تو اللہ نے بخش دیا، وہ مہربان ہے، پھر فرمانے لگے: یا اللہ! تو نے جو جاہ و عزت، بزرگی اور نعمت مجھے عطا فرمائی ہے، میں اسے سامنے رکھ کر وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی کسی نافرمان کی کسی امر میں مدافعت کروں گا نہ اس کی امداد ہی کروں گا۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام ڈرتے ڈرتے صبح ہی صبح خبریں لینے کے لیے شہر میں آئے، دیکھتے ہیں کہ کل والا اسرائیلی آج ایک اور قبطی سے لڑ رہا ہے، آپ کو دیکھتے ہی کل کی طرح آج بھی اس نے فریاد کی اور دہائی دینے لگا، سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم بڑے شریر آدمی ہو، یہ سنتے ہی وہ گھبرا گیا، جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کو روکنے کے لیے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو یہ شخص اپنے کمینے پن اور بزدلی سے یہ سمجھ بیٹھا کہ آپ نے مجھے برا کہا ہے اور پکڑنا چاہتے ہیں، اپنی جان بچانے کی خاطر شور مچانا شروع کیا کہ اے موسیٰ! کل تو نے ایک شخص کا خون کیا تھا، کیا آج میری جان لینا چاہتا ہے؟ کل کا واقعہ اسی اسرائیلی کی موجودگی میں ہوا تھا، اس لیے کسی کو اب تک پتہ نہ تھا، لیکن آج اس کی زبان سے اس قبطی

کو پتہ چلا کہ یہ کام موسیٰ علیہ السلام کا ہے، اس بزدل ڈرپوک نے یہ بھی ساتھ ہی کہا: اے موسیٰ! تو زمین میں سرکش بن کر رہنا چاہتا ہے اور تیری فطرت میں اصلاح کا مادہ نہیں ہے، قبطی یہ سن کر بھاگ کھڑا ہوا، دربارِ فرعونی میں پہنچا اور خبر کی۔ فرعون کی بددلی کی اب کوئی انتہا نہ رہی اور فوراً اپنے سپاہی دوڑائے کہ موسیٰ علیہ السلام کو لاکر پیش کریں۔

﴿ وَ جَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۫ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۫ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَ لَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْۤ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ وَ لَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۫ وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَ اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ۝ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴾[1]

''شہر کے پرے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا: یہاں کے سردار تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں تو بہت جلد (یہاں سے) چلا جا، بے شک میں تیرا خیر خواہ ہوں، پھر موسیٰ علیہ السلام وہاں سے خوفزدہ ہو کر دیکھتے بھالتے چلے گئے، کہنے لگے: اے پروردگار! مجھے ظالموں کے گروہ سے بچا لے اور جب مدین کی طرف متوجہ ہوئے تو کہنے لگے: مجھے امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھی راہ پر چلائے گا، جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کا گروہ (اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہا ہے اور دو عورتیں اپنے جانوروں کو روکے ہوئی تھیں، انہوں نے پوچھا: آپ دونوں کا کیا ماجرا ہے، وہ بولیں: ہمارا معمول یہ ہے کہ ہم جانوروں کو اس وقت تک پانی نہیں پلاتیں جب تک یہ چرواہے پانی پلا کر چلے نہ جائیں (کیونکہ) ہمارے باپ بوڑھے

[1] 28/ القصص: 20-24.

ہیں، یہ سن کر سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ان کے جانوروں کو پانی پلایا، پھر سائے کی طرف آ گئے اور وہ کہنے لگے: اے پروردگار! میں تیری نازل کردہ بھلائی کا محتاج ہوں۔''

فرعون اور فرعونیوں کے ارادے جب اس شخص کی زبانی معلوم ہو گئے تو موسیٰ علیہ السلام وہاں سے تن تنہا، چپ چاپ اور خاموشی سے نکل کھڑے ہوئے، چونکہ اس سے پہلے زندگی کے ایام آپ شہزادوں کی طرح گزارتے تھے، اس لیے سفر بہت کڑا اور تکلیف دہ معلوم ہوا لیکن خوف و ہراس کے سبب سے ادھر ادھر دیکھتے سیدھے چلتے جا رہے تھے اور اللہ سے دعائیں ہوئے جا رہے تھے کہ الٰہی! مجھے ان ظالموں یعنی فرعون اور فرعونیوں کے مظالم سے نجات دے۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رہبری کے لیے ایک فرشتہ بھیجا جو گھوڑے پر آپ کے پاس آیا اور آپ کو راستہ دکھا گیا۔ واللہ اعلم۔ تھوڑی دیر میں آپ جنگلوں اور بیابانوں سے نکل کر مدین کے راستے پر پہنچے تو خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ مجھے ذات باری سے امید ہے کہ وہ راہِ راست ہی پر پہنچائے گا، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی یہ امید بھی پوری کی اور دنیا و آخرت کی سیدھی راہ نہ صرف بتلائی بلکہ اوروں کو بھی سیدھی راہ بتلانے والا بنایا۔

مدین کے کنویں پر پہنچے تو دیکھا چرواہے پانی کھینچ کھینچ کر اپنے جانوروں کو پلا رہے ہیں، وہیں آپ نے یہ بھی ملاحظہ فرمایا کہ دو عورتیں اپنی بکریوں کو ان جانوروں کے ساتھ پانی پلانے سے روک رہی ہیں، تو آپ کو ان عورتوں کی اس حالت پر رحم آیا کہ یہ بے چاریاں پانی نکال کر نہیں پلا سکتیں اور ان چرواہوں میں سے بھی کوئی ان کا روادار نہیں بالآخر ان سے پوچھا: تم اپنے جانوروں کو اس پانی سے کیوں روک رہی ہو؟

انہوں نے جواب دیا: ہم تو کنویں سے پانی نہیں نکال سکتیں، جب یہ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جائیں گے تو ہم اپنی بکریوں کو بچا کھچا پانی پلائیں گی، ہمارے والد

صاحب ہیں لیکن بہت بوڑھے ہیں تو آپ نے خود ہی پانی کھینچ کر ان کے جانوروں کو پلا دیا۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کنویں کے منہ کو ان چرواہوں نے ایک بڑے پتھر سے بند کر رکھا کہ جسے دس آدمی مل کر ہی سرکا سکتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام نے تن تنہا اس پتھر کو ہٹا دیا اور ایک ہی ڈول نکالا تھا کہ اللہ نے اس میں برکت دی اور ان دونوں لڑکیوں کی بکریاں آسودہ ہوگئیں، اب موسیٰ علیہ السلام تھکے ماندے ایک درخت کے سائے تلے بیٹھ گئے، مصر سے مدین تک پیدل چل کے آئے تھے جس کی وجہ سے پیروں میں چھالے پڑ گئے تھے، کھانے کو کچھ پاس نہ تھا، لہٰذا درختوں کے پتے گھاس پھوس کھاتے رہے، پیٹ پیٹھ سے لگ رہا تھا اور گھاس کا سبز رنگ باہر نظر آتا تھا، اس وقت آپ ایک کھجور کے لیے بھی ترسے ہوئے تھے، حالانکہ اس وقت اللہ کے نزدیک ساری مخلوق سے زیادہ برگزیدہ ایک آپ ہی تھے۔ صلوة اللّٰه والسلام علیك۔[1]

درخت کے نیچے بیٹھ کر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے رب! میں تیرے احسانوں کا محتاج ہوں۔ ان کی اس دعا کو اللہ تعالیٰ نے یوں قبول کیا، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۫ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٚ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ○ قَالَ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ﴾[2]

”ان دونوں میں سے ایک ان کی طرف شرم سے چلتی ہوئی آئی، کہنے لگی:

[1] تفسیر الطبری: 19/ 557۔ [2] 28/ القصص: 25-28.

میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تا کہ آپ نے ہمارے جانوروں کو جو پانی پلایا ہے اس کی اجرت دیں، جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس پہنچے اور ان سے اپنا پورا حال بیان کیا تو کہنے لگے: ڈرو نہیں، تو نے ظالموں سے نجات پا لی ہے، ان دونوں میں سے ایک نے کہا: ابا جی انہیں اجرت ہی پر رکھ لیجیے، کیونکہ جنہیں آپ اجرت پر رکھیں ان میں سب سے بہتر وہ ہے جو مضبوط اور ایمانت دار ہو، بزرگ نے کہا: میں اپنی دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں، اس (حق مہر) پر کہ آپ آٹھ سال تک میرا کام کریں گے، اگر دس سال پورے کر دیں تو یہ آپ کی طرف سے بطور احسان ہوگا، میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ آپ کو کسی مشقت میں ڈالوں، اللہ کو منظور ہے تو آگے چل کر آپ مجھے بھلا آدمی پائیں گے، (موسیٰ علیہ السلام) نے کہا: خیر یہ بات تو میرے اور آپ کے درمیان پختہ ہوگئی، میں ان دونوں میں سے جسے چاہوں پورا کر دوں، مجھ پر کچھ زیادتی نہ ہو، ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ ہی گواہ ہے۔"

یعنی ان دونوں لڑکیوں کی بکریوں کو جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے پانی پلا دیا تو یہ اپنی بکریاں لے کر واپس گئیں، باپ نے دیکھا کہ آج یہ وقت سے پہلے آ گئیں ہیں تو دریافت فرمایا: آج بات کیا ہے؟ انہوں نے سارا واقعہ کہہ سنایا، آپ نے اسی وقت ان دونوں میں سے ایک کو بھیجا کہ جاؤ اسے میرے پاس لاؤ، وہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں اور جس طرح پاک دامن، عفیفہ اور نیک عورت کا دستور ہوتا ہے، شرم و حیا سے اپنی چادر میں لپٹی ہوئی پردے کے ساتھ چل رہی تھی، منہ بھی چادر کے کنارے سے چھپائے ہوئے تھیں، پھر اس دانائی اور صداقت کو دیکھئے کہ صرف یہی نہ کہا کہ میرے ابا بلا رہے ہیں، کیونکہ اس میں شبے کی باتوں کی گنجائش تھی، صاف کہہ دیا کہ آپ کو میرے والد اجرت دینے کے لیے بلا رہے ہیں جو آپ نے ہماری بکریوں کو پانی پلا کر ہمارے ساتھ نیکی کی ہے، کلیم اللہ، جو بھوکے، پیاسے، بے خرچ اور تن تنہا مسافر تھے، موقعہ غنیمت جان کر

کر اس لڑکی کے ساتھ چل دیے، وہاں پہنچ کر ان کے بزرگ باپ کو سلام کیا اور ادب سے بیٹھ کر گفتگو کرنے لگے، بزرگ کے سوال پر اپنا سارا واقعہ بلا کم و کاست کہہ سنایا۔ انہوں نے دلجوئی کی اور فرمایا: اب ڈرنے کی کوئی بات نہیں ان ظالموں کے ہاتھ سے آپ بچ نکلے ہیں، یہاں تک ان کی حکومت نہیں۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ بزرگ سیدنا شعیب علیہ السلام تھے جو مدین والوں کی طرف اللہ کے پیغمبر بن کر آئے ہوئے تھے۔ یہی مشہور قول ہے، ان کی دونوں صاحبزادیوں میں سے ایک نے باپ کو توجہ دلائی، یہ توجہ دلانے والی وہی صاحبزادی تھیں جو آپ کو بلانے کے لیے گئی تھیں، کہا: انہیں آپ اپنی بکریوں کے چرانے پر رکھ لیجیے، کیونکہ وہی کام کرنے والا اچھا ہوتا ہے جو طاقت ور ہونے کے ساتھ ساتھ امانت دار بھی ہو، باپ نے پوچھا: بیٹی تم نے کیسے جان لیا کہ ان میں یہ دونوں خوبیاں ہیں؟ بچی نے جواب دیا: دس طاقت ور آدمی مل کر جس پتھر کو اس کنویں سے ہٹا سکتے تھے، انہوں نے تنہا ہی اسے ہٹا دیا، اس سے ان کی قوت کا اندازہ بآسانی ہوسکتا ہے اور ان کی امانت داری کا علم مجھے اس طرح ہوا کہ جب میں انہیں لے کر آپ کے پاس آنے لگی تو یہ راستے سے ناواقف تھے اس لیے میں آگے ہوگئی، انہوں نے کہا: نہیں، تم میرے پیچھے رہو اور جہاں راستہ بدلنا ہو اس طرف کنکری پھینک دینا، میں سمجھ لوں گا کہ مجھے اس طرف مڑنا ہے۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین شخصوں کی سی زیرکی، معاملہ فہمی، دانائی اور دور بینی کسی اور میں نہیں پائی گئی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دانائی جبکہ انہوں نے اپنے بعد خلافت کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا، سیدنا یوسف علیہ السلام کے خریدنے والے مصری جنہوں نے بیک نظر سیدنا یوسف علیہ السلام کو پہچان لیا اور جا کر اپنی بیوی سے کہا کہ انہیں اچھی طرح رکھو اور اس بزرگ کی صاحبزادی جنہوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی نسبت اپنے باپ سے سفارش کی کہ انہیں اپنے کام پر رکھ لیجیے۔[1]

[1] تفسیر الطبری: 19/ 572۔

یہ سنتے ہی اس بچی کے باپ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اگر آپ پسند فرمائیں تو اس حق مہر پر اپنی دونوں بچیوں میں سے ایک کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیتا ہوں کہ آپ آٹھ سال تک میری بکریاں چرائیں گے، اس بزرگ نے کہا: آٹھ سال تو ضروری ہیں، ہاں اس کے بعد کے دو سال کا آپ کو اختیار ہے اگر آپ اپنی خوشی سے دو سال مزید میرا کام کریں تو اچھا ہے، ورنہ آپ پر لازم نہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ میں معاملات میں برا آدمی نہیں ہوں۔ آپ کو تکلیف نہ دوں گا۔

کلیم اللہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بزرگ کی یہ شرط قبول کر لی اور فرمایا کہ ہم میں یہ طے شدہ فیصلہ ہے، مجھے اختیار ہوگا کہ خواہ دس سال پورے کروں یا آٹھ سال کے بعد چھوڑ دوں، آٹھ سال بعد آپ کی کوئی مزدوری مجھ پر واجب نہیں، ہم اللہ تعالیٰ کو اپنے اس معاملے پر گواہ بناتے ہیں، اس کی کارسازی کافی ہے، اگرچہ دس سال کرنا مباح ہے لیکن وہ فاضل چیز ہے ضروری نہیں، ضروری آٹھ سال ہیں۔ صحیح البخاری میں ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے دس سال کی مدت پوری کی۔[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَ سَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ﴾[2]

"جب موسیٰ علیہ السلام نے مدت پوری کر لی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلے تو طور (پہاڑ) کی طرف آگ دیکھی، اپنی بیوی سے کہنے لگے: ٹھہریئے! میں نے آگ دیکھی ہے، ممکن ہے کہ میں وہاں سے کوئی خبر لاؤں یا کوئی آگ کا انگارا لاؤں تا کہ تم سینک لو۔"

جب موسیٰ علیہ السلام نے مدت پوری کر لی تو وطن کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ بیوی کو لے کر چلے، راستے میں رات ہوگئی، بارش ہوئی، اندھیری رات تھی، راستہ بھول گئے اور

[1] صحیح البخاری، کتاب الشهادات، باب من أمر بإنجاز الوعد: 2684۔
[2] 28/ القصص: 29.

سردی کا زمانہ تھا، سرد ہوا چل رہی تھی، چراغ جلاتے تھے مگر روشنی نہیں ہوتی تھی، بہت پریشان ہوئے، اسی پریشانی کی حالت میں کچھ آگ جلتی نظر آئی تو گھر والوں سے فرمایا کہ آپ یہاں ٹھہریں، وہاں کچھ روشنی دکھائی دیتی ہے، میں وہاں جاتا ہوں، اگر وہاں کوئی ہوا تو اس سے راستہ دریافت کرلوں گا اور آگ کا انگارا بھی لیتا آؤں گا تاکہ آپ تاپ لیں اور سردی کم ہو جائے۔[1]

چنانچہ آپ وہاں تشریف لے گئے، وہاں اللہ تعالیٰ کی تجلی نظر آئی اور اللہ تعالیٰ سے بات چیت ہوئی، وہیں آپ کو نبوت ملی اور معجزہ دے کر فرعون کی طرف بھیجے گئے، اس کی تفصیل لمبی ہے، ہمیں ان کی بیوی کا مختصر حال بیان کرنا تھا جو قرآن مجید سے بیان کر دیا ہے، اب آپ غور کریں اور سوچیں کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی بیوی اپنے والد ماجد کی کس طرح خدمت کرتی تھیں اور مجبوری میں بکریاں چراتی تھیں، پھر باپ کے کہنے پر اجنبی مرد سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس شرم و حیا سے آئیں اور شادی ہو جانے کے بعد اپنے خاوند سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہولیں اور ان کی خدمت کرتی رہیں، اگر آپ بھی اپنے ماں باپ اور خاوند کی خدمت کریں گی تو بڑے درجے پائیں گی۔

[1] تفسیر ابن کثیر اردو مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ: 4/116، 121.

سیدہ آسیہ اور ماشطہ رضی اللہ عنہما

سیدہ آسیہ رضی اللہ عنہا فرعون کی بیوی ہیں، فرعون کافر، بڑا ظالم اور خدائی کا دعویدار تھا۔ سیدہ آسیہ رضی اللہ عنہا بڑی نیک، رحم دل اور مومنہ تھیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی جان بچپن میں بچائی تھی اور یہ ولایت کے کمال درجہ پر پہنچی ہوئی تھیں، ان کی پارسائی اور ایمانداری کا بیان قرآن مجید میں آیا ہے:

﴿ وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَ نَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهٖ وَ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾[1]

''اور اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرمائی، جبکہ اس نے دعا کی کہ اے میرے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں مکان بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دلا اور مجھے ظالم لوگوں سے خلاصی دے۔''

تفسیر ابن کثیر میں اس آیت کریمہ کی تفسیر یوں ہے کہ امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روئے زمین کے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سرکش فرعون تھا، لیکن اس کے کفر نے بھی اس کی بیوی کو کچھ نقصان نہ پہنچایا، اس لیے کہ وہ اپنے زبردست ایمان پر قائم تھیں اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ عادل اور حاکم ہے، وہ ایک کے گناہ پر دوسرے کو نہیں پکڑتا۔ سیدنا سلیمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرعون اس نیک بخت بیوی کو طرح طرح سے ستاتا تھا، سخت

[1] 66/ التحریم: 11۔

گرمیوں میں انہیں دھوپ میں کھڑا کر دیتا تھا لیکن پروردگار اپنے فرشتوں کے پروں کا سایہ ان پر کر دیتا تھا اور انہیں گرمی کی تکلیف سے بچا لیتا بلکہ انہیں ان کے جنتی مکان کو دکھا دیتا، جس سے ان کی روح میں تازگی اور ایمان میں زیادتی ہو جاتی۔

سیدہ آسیہ رضی اللہ عنہا فرعون اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ دریافت کرتی رہتی تھیں کہ کون غالب رہا، ہر وقت یہی سنتیں کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام غالب رہے، بس یہی ان کے ایمان میں پختگی کا باعث بنا اور وہ پکار اٹھیں کہ میں موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لائی، فرعون کو جب یہ معلوم ہوا تو کہا: جو بڑی سے بڑی پتھر کی چٹان تمہیں ملے اسے اٹھا لاؤ اور اس کو چت لٹا کر کہو کہ اپنے عقیدے سے باز آجائے اگر باز آجائے تو وہ میری بیوی ہے، عزت وحرمت کے ساتھ واپس لاؤ اور اگر نہ مانے تو وہ چٹان اس پر گرا دو اور اس کا قیمہ قیمہ کر دو، جب یہ لوگ پتھر لائے اور انہیں لے گئے اور پتھر ان پر گرانے کے لیے اٹھایا تو انہوں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر یہ دعا کی کہ اے پروردگار! حجاب اٹھا دے اور جنت دکھا دے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے اپنے مقام کو دیکھ لیا اور اس میں ان کی روح پرواز کر گئی، جس وقت پتھر پھینکا گیا اس وقت جسم میں ان کی روح تھی ہی نہیں[1] اپنی شہادت کے وقت دعا مانگتی ہیں کہ الٰہی! جنت میں اپنے قریب مجھے گھر عنایت فرما، اس دعا کی باریکی پر بھی نگاہ ڈالیے کہ پہلے اللہ کا پڑوس مانگا جا رہا ہے، پھر گھر کی درخواست کی جا رہی ہے، پھر دعا کرتی ہیں کہ فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے، میں اس کی کفریہ حرکتوں سے بیزار ہوں، مجھے اس ظالم سے تو عافیت میں رکھ۔

ان کے ایمان لانے کا واقعہ امام ابو عالیہ رحمہ اللہ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ فرعون کے داروغہ کی بیوی کا ایمان ان کے ایمان کا باعث بنا، وہ ایک روز فرعون کی لڑکی کا سر گوندھ رہی تھی کہ اچانک کنگھی ہاتھ سے گر گئی اور ان کے منہ سے نکل گیا کہ کفار برباد ہوں، اس لڑکی نے دریافت کیا: میرے باپ کے علاوہ تو اور کسی کو رب مانتی ہے؟ اس نے جواب دیا: میرے اور تیرے باپ الغرض ہر چیز کا رب اللہ تعالیٰ ہے، اس نے غصے

[1] تفسیر الطبری: 23/ 500۔

میں آ کر انہیں مارا پیٹا اور اپنے باپ کو اس کی خبر دی، فرعون نے ان کو بلا کر خود پوچھا: میرے سوا اور کسی کی عبادت کرتی ہو؟ جواب دیا کہ ہاں! میرا اور تیرا، تمام مخلوق کا رب اللہ تعالیٰ ہے، میں اسی کی عبادت کرتی ہوں۔ فرعون نے حکم دیا: انہیں چت لٹا کر ان کے ہاتھوں اور پاؤں پر میخیں گاڑی جائیں اور سانپ چھوڑ دیے جائیں جو انہیں کاٹتے رہیں، پھر ایک دن آیا اور کہا کہ اب بھی تیرے خیالات درست نہیں ہوئے؟ جواب ملا: میرا، تیرا اور سب کا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ فرعون نے کہا: اب میں تیرے سامنے تیرے لڑکے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا، ورنہ اب بھی میرا کہا مان لے اور اس دین سے باز آ جا۔ انہوں نے جواب دیا: تو جو کچھ کر سکتا ہے کر لے، اس ظالم نے ان کے لڑکے کو بلایا اور ان کے سامنے اس کو مار ڈالا، جب ان کے بچے کی روح نکل رہی تھی تو اس نے کہا: اے ماں! خوش ہو جا، تیرے لیے اللہ نے بڑے بڑے ثواب تیار کر رکھے ہیں اور فلاں فلاں نعمتیں تجھ کو ملیں گی۔ انہوں نے اس روح فرسا سانحہ کو بچشم خود دیکھ لیا، لیکن صبر کیا اور راضی بہ قضا ہو کر بیٹھی رہیں۔

فرعون نے پھر اسی طرح انہیں بندھوا کر جیل میں ڈال دیا اور سانپ چھوڑ دیے، پھر ایک دن آیا اور اپنی بات دہرائی، بی بی صاحبہ نے پھر نہایت صبر و استقلال سے وہی جواب دیا، اس نے پھر وہی دھمکی دی اور ان کے دوسرے بیٹے کو بھی ان کے سامنے قتل کرا دیا اور اس کی روح نے بھی اسی طرح اپنی والدہ کو خوش خبری دی اور صبر کی تلقین کی، فرعون کی بیوی نے بڑے بچے کی روح کی خوشخبری سنی تھی، اب چھوٹے بچے کی روح کی بھی خوش خبری سنی اور ایمان لے آئیں، ادھر نیک بخت بی بی کی روح اللہ تعالیٰ نے قبض کر لی اور ان کی منزل و مرتبہ، جو اللہ کے ہاں تھا حجاب اُٹھا کر فرعون کی بیوی کو بھی دکھا دیا گیا، یہ اپنے ایمان و یقین میں مزید بڑھ گئیں، یہاں تک کہ فرعون کو بھی ان کے ایمان کی خبر ہو گئی۔ اس نے ایک روز اپنے درباریوں سے کہا کہ تمہیں میری بیوی کی خبر ہے، تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ سب نے بڑی تعریف کی اور ان کی بھلائیاں بیان کیں۔

فرعون نے کہا: تمہیں نہیں معلوم وہ بھی میرے سوا کسی اور کو رب مانتی ہے، پھر مشورہ

ہوا کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ میخیں گاڑی گئیں اور ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے گئے۔ تب سیدہ آسیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے رب سے دعا کی کہ پروردگار! میرے لیے اپنے پاس جنت میں جگہ بنا، اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حجاب اٹھا کر انہیں ان کا جنتی درجہ دکھا دیا، جس پر یہ ہنسنے لگیں، ٹھیک اسی وقت فرعون آ گیا اور انہیں ہنستا ہوا دیکھ لیا اور کہنے لگا: تمہیں تعجب نہیں ہوتا کہ اتنی سخت سزا میں یہ عورت مبتلا ہے مگر پھر بھی ہنس رہی ہے، یقیناً اس کا دماغ ٹھکانے پر نہیں، الغرض انہی عذابوں میں وہ بھی شہید ہو گئیں۔ [1]

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زمین پر چار لکیریں کھینچیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا: ''جانتے ہو یہ کیا ہے؟'' انہوں نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی کو علم ہے، آپ نے فرمایا: ''تمام جنتی عورتوں میں سے خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد، فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد ﷺ، مریم رضی اللہ عنہا بنت عمران ہیں اور آسیہ رضی اللہ عنہا بنت مزاحم جو فرعون کی بیوی تھیں، افضل ترین ہیں۔'' [2]

صحیح البخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مردوں میں تو صاحب کمال بہت سے ہوئے ہیں لیکن عورتوں میں کامل سیدہ آسیہ رضی اللہ عنہا ہیں جو فرعون کی بیوی تھیں اور مریم رضی اللہ عنہا بنت عمران ہیں اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تو عورتوں پر ایسے ہی ہے جیسے سالن میں چوری ہوئی روٹی کی فضیلت باقی کھانوں پر۔'' [3]

اب آپ خود سوچیں اور غور کریں کہ سیدہ آسیہ رضی اللہ عنہا نے ایمان کی خاطر کیسی کیسی مصیبتیں برداشت کیں مگر ایمان کو نہیں چھوڑا، اسی ایمان پر مریں اور جنت میں پہنچیں اور فرعون کی داروغہ کی بیوی بھی بڑی پکی ایمان والی تھیں کہ ایمان بچانے کی وجہ سے دونوں بچے شہید کرا دیے اور خود بھی بڑی بڑی تکلیفوں کو برداشت کیا، ان کا بھی بڑا درجہ ہے۔

خدانخواستہ اگر آپ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں تو ایمان کو کسی صورت نہ چھوڑیں، سب کچھ چھوٹ جائے مگر ایمان بالکل نہ چھوٹنے پائے۔

[1] تفسیر ابن کثیر اردو مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ: 5/376، 377. [2] مسند أحمد: 2668.
[3] صحیح البخاري: کتاب أحادیث ألانبیاء، باب قول اللّٰہ تعالیٰ وضرب اللّٰہ مثلاً للذین: 3411.

سیدہ بلقیس رضی اللہ عنہا

یہ ملک یمن کے شہر سبا کی مہارانی تھیں، لاکھوں کا لاؤ لشکر تھا، ان کے سینکڑوں وزیر اور مشیر تھے، ہر ایک کے ماتحت ہزاروں جمعیت، ہر قسم کا دنیاوی سامان مہیا تھا، ان کا ایک نہایت شاندار تخت تھا جس پر وہ بیٹھا کرتی تھیں، وہ تخت سونے، موتی اور قیمتی چیزوں سے جڑا ہوا تھا، اسی ہاتھ اونچا اور چالیس ہاتھ چوڑا تھا، چھ سو عورتیں ہر وقت ان کی خدمت میں کمر بستہ رہتی تھیں، ان کا ایک دیوان خاص تھا، جس میں یہ تخت تھا، بہت بڑا محل تھا، بلند وبالا، کشادہ، فراخ اور صاف جس کے مشرقی حصے میں تین سو ساٹھ طاق تھے اور اتنے ہی مغربی حصہ میں تھے اور اسے اس صنعت سے بنایا تھا کہ ہر دن سورج ایک طاق سے نکلتا اور اسی کے مقابلے کے طاق میں غروب ہوتا، اہل دربار صبح وشام اس سورج کو سجدہ کرتے تھے اور راجا پرجا سب ہی سورج کے پجاری تھے، اللہ کی عبادت کرنے والا ان میں سے ایک بھی نہیں تھا، شیطان نے انہیں گمراہ کر رکھا تھا، سیدنا سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں بلقیس رضی اللہ عنہا شہر سبا کی ملکہ تھی، ہدہد نے بلقیس کے ملک اور اس کی پوجا پاٹ وغیرہ کی ساری باتیں سیدنا سلیمان علیہ السلام سے بیان کیں۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام نے جو فرمایا وہ اس آیت میں ہے:

﴿قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ○ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا یَرْجِعُوْنَ ○ قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّیْۤ اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتٰبٌ كَرِیْمٌ ○ اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَ اْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ○ قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْۤ اَمْرِیْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ○ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ

اُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ۬ وَّ الْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَا ذَا تَاْمُرِيْنَ ○ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ○ وَ اِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ○ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ٘ فَمَاۤ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ○ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَ لَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَاۤ اَذِلَّةً وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ○ قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ○ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَ اِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ○ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ۫ لِيَبْلُوَنِيْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَ مَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ○ قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْۤ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ○ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَ اُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَ كُنَّا مُسْلِمِيْنَ ○ وَ صَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ○ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ۬ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾[1]

”(سلیمان علیہ السلام) نے کہا: اب ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹا ہے، میرے اس خط کو لے جا اور انہیں دے دے، پھر ان کے پاس سے ہٹ جانا اور دیکھنا کہ وہ کیا جواب دیتی ہے، وہ کہنے لگی: اے سردارو! میری طرف ایک مکرم خط ڈالا گیا ہے، جو سلیمان کی طرف سے ہے اور جو مہربان اور رحم

① 27/ النمل: 27-44.

کرنے والے اللہ کے نام سے شروع ہوتا ہے، (اس میں ہے کہ) تم میرے سامنے سرکشی نہ کرو اور مسلمان بن کر میرے پاس آ جاؤ۔ اس نے کہا: اے میرے سردارو! تم میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو تاکہ میں کسی امر کا قطعی فیصلہ کر سکوں، جب تک تمہاری موجودگی اور رائے نہ ہو میں فیصلہ نہیں کیا کرتی، ان سب نے جواب دیا: ہم قوت اور طاقت والے اور سخت لڑنے والے ہیں، آگے آپ کو اختیار ہے کہ آپ خود سوچ لیجیے کہ اس بارے میں آپ کیا حکم فرماتی ہیں، اس (ملکہ بلقیس) نے کہا: بادشاہ جب کسی بستی میں گھستے ہیں تو اسے اجاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے عزت دار لوگوں کو ذلیل کرتے ہیں، فی الواقع وہ اسی طرح کرتے ہیں۔ میں انہیں ایک ہدیہ بھیجنے والی ہوں، پھر دیکھ لوں کہ قاصد کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں۔ جب قاصد سیدنا سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا: کیا تم مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو؟ مجھے تو میرے رب نے اس سے بہتر دے رکھا ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے، بس تم ہی اپنے اس تحفے سے خوش رہو جاؤ ان کی طرف واپس لوٹ جاؤ، ہم ان کے مقابلے پر وہ لشکر لائیں گے جن کے سامنے آنے کی ان میں طاقت نہیں اور انہیں ہم ذلیل و پست کر کے وہاں سے نکال باہر کریں گے، (سیدنا سلیمان رضی اللہ عنہ نے) فرمایا: اے سردارو! تم میں سے کوئی ہے جو ان کے مسلمان ہو کر یہاں پہنچنے سے پہلے ہی اس کا تخت مجھے لا کر دے؟ ایک عفریت جن کہنے لگا: آپ (علیہ السلام) اپنی اس مجلس سے اٹھیں، اس سے پہلے ہی میں اسے آپ کے پاس لا دوں گا، یقین مانیے میں اس پر قادر ہوں اور ہوں بھی امانت دار۔ جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ بول اٹھا کہ آپ پلک جھپکائیں اس سے بھی پہلے میں اسے آپ کے پاس لا سکتا ہوں، جب آپ نے اسے اپنے پاس موجود پایا تو فرمانے لگے: یہی میرے رب کا فضل ہے، تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر گزاری کرتا ہوں یا ناشکری اور جو شکر

کرے گا تو وہ اپنا ہی فائدہ کرے گا اور جو ناشکری کرے تو میرا پروردگار بے پروا اور بزرگ ہے، غنی و کریم ہے، فرمایا کہ اس کے تخت میں کچھ تبدیلی کر ڈالو تا کہ پتہ چل سکے یہ راہ پا لیتی ہے یا ان میں سے ہوتی ہے جو راہ نہیں پاتے، پھر جب وہ آ گئی تو اس سے دریافت کیا گیا: کیا ایسا ہی تھا آپ کا تخت؟ اس نے جواب دیا: یہ گویا وہی ہے، ہمیں اس سے پہلے ہی علم دیا گیا تھا اور ہم مسلمان تھے۔ اسے انہوں نے روک رکھا تھا جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتی رہتی تھی، یقیناً وہ کافروں لوگوں میں تھی، اس سے کہا گیا کہ محل میں چلیں، جسے دیکھ کر یہ سمجھی کر کہ یہ حوض ہے اور اپنی دونوں پنڈلیوں سے (کپڑا) اُٹھا لیا فرمایا: یہ تو شیشے سے بنی ہوئی عمارت ہے، کہنے لگی: میرے پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، اب میں سلیمان (علیہ السلام) کے ساتھ رب العلمین کی مطیع اور فرمانبردار بنتی ہوں۔"

ان آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ ہدہد کی خبر سنتے ہی سیدنا سلیمان علیہ السلام نے اس کی تحقیق شروع کردی کہ یہ سچا ہے یا جھوٹا، چنانچہ اسی ہدہد سے فرمایا کہ میرا یہ خط بلقیس کو دے آؤ، اس خط کو چونچ میں لے کر یا پر سے بندھوا کر ہدہد اڑا، وہاں پہنچ کر بلقیس کے مکان میں گیا، وہ اس وقت خلوت خانے میں تھی، اس نے ایک دروازے میں سے وہ خط اس کے سامنے رکھ دیا اور ادب کے ساتھ ایک طرف ہو گیا، اسے سخت تعجب اور حیرت ہوئی اور ساتھ ہی کچھ خوف و دہشت بھی، خط کو اٹھا کر مہر توڑا اور خط کھول کر کہنے لگی: ایک باوقعت خط معلوم ہوتا ہے اس لیے اس نے اپنے امرا، وزرا، سردار اور رؤسا کو جمع کیا اور کہنے لگی کہ ایک باوقعت خط میرے پاس بھیجا گیا ہے، اس خط کا باوقعت ہونا تو اس پر باہر ہی سے واضح ہو گیا تھا کہ ایک جانور اسے لاتا ہے اور ہوشیاری اور احتیاط سے اسے پہنچاتا ہے، سامنے باادب طریقے سے رکھ کر یکسو ہو جاتا ہے تو میں اسی وقت جان گئی تھی کہ یہ خط مکرم ہے اور کسی باعزت شخص کا بھیجا ہوا ہے۔

پھر بسم اللہ کا مضمون پڑھ کر سنایا کہ یہ خط سیدنا سلیمان علیہ السلام کا ہے، اس کے شروع

میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی ہوئی ہے، ساتھ ہی مسلمان ہونے اور تابع فرمان بننے کی دعوت ہے، اب سب نے پہچان لیا کہ یہ اللہ کے پیغمبر کا دعوت نامہ ہے اور ہم میں سے کسی میں بھی ان کے مقابلے کی طاقت نہیں، پھر خط کی بلاغت، اختصار اور وضاحت نے سب کو مزید حیران کر دیا کہ یہ مختصری عبارت بہت سی باتوں کا خلاصہ ہے، جیسے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

بلقیس نے سیدنا سلیمان علیہ السلام کا خط انہیں سنا کر ان سے مشورہ طلب کیا اور کہا: تم جانتے ہو جب تک تم سے مشورہ نہ کرلوں، میں کسی امر کا فیصلہ نہیں کرتی، اس وجہ سے میں تم سے مشورہ طلب کرتی ہوں، بتلاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ سب نے متفقہ طور پر جواب دیا کہ ہماری جنگی طاقت بہت زیادہ ہے اور ہماری طاقت مسلّم ہے، اس طرف سے تو اطمینان ہے، آگے جیسا آپ کا حکم، ہم تابعداری کے لیے موجود ہیں، ایک حد تک سردارانِ لشکر نے لڑائی کی طرف اور مقابلے کی طرف رغبت دی تھی لیکن سیدہ بلقیس رضی اللہ عنہا سمجھدار اور عاقبت اندیش تھیں اور ہدہد کے ہاتھوں خط ملنے کا ایک کھلا معجزہ دیکھ چکی تھیں، یہ بھی معلوم کرلیا تھا کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کے مقابلے میں میرا لاؤ لشکر کوئی حقیقت نہیں رکھتا، اگر لڑائی کی نوبت آئی تو ملک کی بربادی کے ساتھ ساتھ میں بھی سلامت نہ رہ سکوں گی، اس لیے اس نے اپنے وزیروں اور مشیروں سے کہا: بادشاہوں کا قاعدہ ہے کہ جب وہ کسی ملک کو فتح کرتے ہیں تو اسے برباد کر دیتے ہیں، اجاڑ دیتے ہیں، وہاں کے عزت دار لوگوں کو ذلیل و خوار کر دیتے ہیں اور سرداران لشکر اور شہر کا بادشاہ خصوصاً ان کی نگاہوں میں ہوتا اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی تصدیق فرمائی کہ فی الواقع یہ صحیح ہے اور ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

اس کے بعد جو انہوں نے ترکیب سوچی تھی کہ ایک چال چلیں اور سیدنا سلیمان علیہ السلام سے موافقت کر کے صلح کرلیں، وہ اس نے ان کے سامنے پیش کی اور کہا کہ اس وقت تو میں ایک گراں بہا تحفہ انہیں بھیجتی ہوں پھر دیکھتے ہیں کہ وہ میرے قاصدوں کو کیا فرماتے ہیں، بہت ممکن ہے کہ وہ اسے قبول فرمالیں اور ہم آئندہ بھی بطور جزیے کے ہدیے بھیجتے

رہیں اور انہیں ہم پر چڑھائی کرنے کی ضرورت نہ پڑے، اسلام کی قبولیت میں اور اس ہدیے کے بھیجنے میں اس نے نہایت دانائی سے کام لیا، وہ جانتی تھی کہ روپیہ وہ چیز ہے جو فولاد بھی نرم کر دیتا ہے اور اسے یہ بھی آزمانا تھا کہ دیکھیں کہ کیا وہ ہمارے اس مال کو قبول کر لیتے ہیں یا نہیں؟ اگر قبول کر لیا تو سمجھ لو وہ ایک بادشاہ ہیں، پھر ان سے مقابلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر واپس کر دیا تو ان کی نبوت میں کوئی شک نہیں، پھر ان سے مقابلہ سراسر بے سود بلکہ مضر ہوگا۔①

بلقیس نے بہت گراں قدر تحفہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجا، سونا چاندی اور جواہر، سونے کی کثیر مقدار، اینٹیں اور سونے کے برتن وغیرہ۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کچھ بچے عورتوں کے لباس میں اور کچھ عورتیں لڑکوں کے لباس میں بھیجیں اور کہا کہ انہیں پہچان لیں تو نبی مان لینا چاہیے، جب یہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ نے سب کو وضو کرنے کا حکم دیا، لڑکیوں نے برتن ہی میں ہاتھ ڈال کر اپنی عادت کے مطابق ہاتھ دھوئے اور لڑکے جتنے بھی تھے سب نے برتنوں کو جھکا کر پانی لیا اور اپنے ہاتھ دھوئے۔ اس طرح آپ نے دونوں کو علیحدہ علیحدہ پہچان کر الگ الگ کر دیا کہ یہ لڑکے ہیں اور یہ لڑکیاں ہیں۔ واللہ اعلم۔

یہ بھی مذکور ہے کہ بلقیس نے ایک برتن بھیجا تھا اور کہا تھا کہ اسے ایسے پانی سے بھر دیں کہ جو زمین کا ہو نہ آسمان کا، تو آپ نے گھوڑے دوڑائے اور ان کے پسینے سے برتن کو بھر دیا، اس نے کچھ خرمہرے اور لڑی بھی بھیجی تھی، آپ نے انہیں لڑی میں پرو دیا، یہ سب اقوال عموماً بنی اسرائیل کی روایتوں سے لیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ ان میں سے کون سا واقعہ ہوا یا کچھ بھی نہیں ہوا؟ البتہ بظاہر تو الفاظِ قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس رانی سے تحفے کی طرف مطلقاً التفات ہی نہیں کیا اور اسے دیکھتے ہی فرمایا کہ کیا تم مجھے رشوت دے کر شرک پر قائم رہنا چاہتے ہو، یہ ناممکن ہے، مجھے اللہ نے بہت کچھ دے رکھا ہے، ملک و مال، فوج و لشکر سب کچھ میرے پاس موجود ہے، تم

① تفسیر الطبری: 455/19۔

سے ہر حالت میں بہتر ہوں، فالحمد للہ۔ تم ہی اپنے اس ہدیے سے خوش رہو، یہ کام تم ہی کو سونپا کہ مال سے راضی ہو جاؤ اور تحفہ تمہیں جھکا دے، یہاں تو دو ہی چیزیں ہیں یا شرک چھوڑ دو یا ہماری تلوار کا مقابلہ کرو، یہ بھی کہا گیا ہے کہ سبا سے بیت المقدس تک اس کے قاصد پہنچے۔ اس سے پہلے سیدنا سلیمان علیہ السلام نے جنوں کو حکم دیا اور انہوں نے سونے چاندی کے ایک ہزار محل تیار کر دیے، جس وقت قاصد پائے تخت پر پہنچے تو ان کے محلوں کو دیکھ کر ہوش جاتے رہے اور کہنے لگے: یہ بادشاہ تو ہمارے اس تحفے کو اپنی حقارت سمجھے گا، یہاں تو سونا مٹی کی سی وقعت بھی نہیں رکھتا۔ پھر آپ نے قاصدوں سے فرمایا کہ ہدیے ان ہی کو واپس کر دو اور ان سے کہہ دو کہ مقابلے کی تیاری کر لیں، یاد رکھو! میں وہ لشکر لے کر چڑھائی کروں گا کہ جن کے سامنے تم آ ہی نہیں سکتے، ان میں ہم سے جنگ کرنے کی طاقت ہی نہیں، ہم انہیں ان کی سلطنت سے بریک بینی و دو گوش ذلت وحقارت کے ساتھ نکال دیں گے، ان کے تخت و تاج کو روند دیں گے، جب قاصد اس تحفے کو واپس لے کر پہنچے اور شاہی پیغام بھی سنا دیا تو بلقیس کو آپ کی نبوت کا یقین ہو گیا اور تمام لشکروں سمیت سیدنا سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گئی۔ جب آپ نے اس کا قصد معلوم کیا تو بہت خوش ہوئے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

جب قاصد واپس آیا اور بلقیس کو پیغام نبوت پہنچایا تو وہ سمجھ گئی اور کہا: واللہ یہ سچے پیغمبر ہیں، پیغمبر کا مقابلہ کر کے کوئی غلبہ نہیں پا سکتا اسی وقت دوبارہ قاصد بھیجا کہ میں اپنی قوم کے سرداروں سمیت حاضر خدمت ہوتی ہوں تا کہ خود آپ سے مل کر دینی معلومات حاصل کروں اور آپ سے اپنی تشفی کر لوں، یہ کہلوا کر یہاں اپنا نائب ایک شخص کو بنایا، سلطنت کے انتظامات اس کے سپرد کیے اور اپنا لاجواب اور بیش قیمت ہیروں سے جڑا ہوا تخت جو سونے کا تھا سات محلوں میں مقفل کیا اور اپنے نائب کو اس کی حفاظت کی سخت تاکید فرمائی اور بارہ ہزار سردار جن میں سے ہر ایک کے ماتحت ہزاروں آدمی تھے ساتھ لیے اور ملک سلیمان علیہ السلام کی طرف چل دی، جنات قدم قدم کی خبریں آپ کو پہنچاتے رہتے تھے، جب آپ کو معلوم ہوا کہ وہ قریب پہنچ چکی ہے تو آپ نے اپنے دربار میں، جس میں

جن وانس سب موجود تھے، فرمایا: کوئی ہے جو اس کے تخت کو اس کے پہنچنے سے پہلے یہاں پہنچا دے۔ ① کیونکہ وہ آ جائے گی اور اسلام میں داخل ہو جائے گی پھر اس کا مال ہم پر حرام ہو جائے گا۔

یہ سن کر ایک طاقت ور جن جس کا نام کوزن تھا، جو ایک پہاڑ کے مثل تھا، بولا: اگر آپ مجھے حکم دیں تو آپ کے دربار برخاست کرنے سے پہلے میں تخت کو یہاں لا دیتا ہوں، آپ لوگوں کے فیصلے کرنے، جھگڑے چکانے اور انصاف کرنے کے لیے صبح سے دوپہر تک دربار عام میں تشریف رکھا کرتے تھے، اس نے کہا: میں اس تخت کے اٹھا لانے کی طاقت رکھتا ہوں اور ہوں بھی امانت دار، اس میں سے کوئی چیز چوری نہیں کروں گا۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ اس سے بھی پہلے اس کا تخت میرے پاس پہنچ جائے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نبی سیدنا سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی اس تخت کے منگوانے کی غرض یہ تھی کہ اپنے ایک زبردست معجزے اور پوری طاقت کا ثبوت بلقیس کو دکھائیں کہ اس کا تخت جسے اس نے سات مقفل مکانوں میں رکھا تھا، وہ اس کے آنے سے پہلے دربارِ سلیمان میں موجود ہے۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام کے اس جلدی تقاضے کو سن کر جس کے پاس کتابی علم تھا وہ بولا، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ آصف تھے جو سیدنا سلیمان علیہ السلام کے کاتب تھے، ان کے باپ کا نام برخیا تھا، یہ ولی اللہ تھے جو اسم اعظم جانتے تھے، پکے مسلمان تھے اور بنی اسرائیل میں سے تھے، انہوں نے کہا: آپ اپنی نگاہ دوڑائیے، جہاں تک پہنچے نظر کیجیے، ابھی آپ دیکھ رہے ہوں گے کہ میں اسے لا دوں گا۔ پس سیدنا سلیمان علیہ السلام نے یمن کی طرف، جہاں اس کا تخت تھا، نظر کی، ادھر یہ کھڑے ہو کر وضو کر کے دعا میں مشغول ہوئے اور یہ پڑھا: ”يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ“ یا فرمایا: ”وَإِلٰهُنَا وَإِلٰهُ كُلِّ شَيْءٍ إِلٰهًا وَاحِدًا لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ ائْتِنِي بِعَرْشِهَا۔“ ②

اسی وقت تخت سامنے آ گیا، ذرا سی دیر میں یمن سے بیت المقدس میں پہنچ گیا اور لشکر سلیمانی کے دیکھتے ہی دیکھتے زمین سے نکل آیا، جب سیدنا سلیمان علیہ السلام نے اسے اپنے

① تفسیر الطبری: 19/ 520۔ ② تفسیر الطبری: 19/466

سامنے موجود پایا تو فرمایا: یہ صرف میرے رب کا فضل ہے کہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر گزاری کرتا ہو یا ناشکری، جو شکر کرے وہ اپنا ہی نفع کرتا ہے اور جو ناشکری کرے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کی بندگی سے بے نیاز ہے اور خود بندوں سے بھی اس کی عظمت کسی کی محتاج نہیں۔ اس تخت کے آجانے کے بعد سیدنا سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس میں کچھ تغیر و تبدل کر ڈالو۔ پس کچھ ہیرے جواہر بدل دیے گئے، رنگ و روغن میں تبدیلی کر دی گئی[1] اور نیچے اوپر سے بھی بدل دیا گیا، کچھ کمی و زیادتی بھی کر دی گئی تا کہ بلقیس کی آزمائش کریں کہ وہ اپنے تخت کو پہچان لیتی ہے یا نہیں، جب وہ پہنچی تو اس سے کہا گیا: کیا تیرا تخت یہی ہے؟ اس نے کہا ہو بہو اسی جیسا ہے، اس جواب سے اس کی دور بینی اور دانائی ظاہر ہے کہ دونوں پہلو سامنے رکھ کر دیکھا کہ تخت بالکل میرے تخت جیسا ہے اور بظاہر اس کا یہاں پہنچنا ناممکن ہے تو درمیان کی بات کہی۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام نے جنوں کے ہاتھوں ایک محل بنوایا تھا جو صرف شیشے کا تھا اور اس کے نیچے پانی سے لبالب حوض تھا، شیشہ بہت ہی صاف اور شفاف تھا، آنے والا شیشے کا امتیاز نہیں کر سکتا تھا بلکہ اسے یہی معلوم ہوتا تھا کہ پانی ہی پانی ہے، حالانکہ اس کے اوپر شیشے کا فرش بھی تھا۔

بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اس صنعت سے سیدنا سلیمان علیہ السلام کی غرض یہ تھی کہ آپ اس سے نکاح کرنا چاہتے تھے۔ لیکن یہ سنا تھا کہ اس کی پنڈلیاں بہت خراب ہیں اور اس کے ٹخنے چوپایوں کے کھروں جیسے ہیں، اس کی تحقیق کے لیے آپ نے ایسا کیا تھا، جب وہ یہاں آنے لگیں تو پانی کے حوض کو دیکھ کر اپنے پائینچے اٹھائے، آپ نے دیکھ لیا کہ جو بات مجھے پہنچائی گئی ہے غلط ہے، اس کی پنڈلیاں اور پیر بالکل انسانوں جیسے ہی ہیں، کوئی نئی بات یا بدصورتی نہیں، البتہ پنڈلیوں پر بال بڑے بڑے تھے، آپ نے استرے سے منڈوا ڈالنے کا مشورہ دیا۔ لیکن اس نے کہا: اس کی برداشت مجھ سے نہ ہو سکے گی۔ آپ نے جنوں سے کہا: کوئی اور چیز بناؤ، جس سے یہ بال جاتے رہیں۔ پس انہوں نے

[1] تفسیر الطبری: 19/469۔

ہڑتال (ایک طرح کی بال صفا دوا) پیش کی، یہ دوا سب سے پہلے سیدنا سلیمان علیہ السلام کے حکم سے ہی تلاش کی گئی، محل میں بلانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے ملک سے، اپنے دربار سے، اپنی عظمت وعزت اور درباری رونق سے، اپنے سازوسامان سے، اپنے لطف وعیش سے اور خودِ اپنے سے بڑی ہستی دیکھ لے اور اپنے جاہ چشم نظروں سے گر جائے، جس کے ساتھ ہی تکبر کا خاتمہ بھی یقینی تھا، یہ جب اندر آنے لگیں اور حوض کی حد پر پہنچیں تو اسے لہلہاتا ہوا دریا سمجھ کر پائینچے اٹھا لیے، اسی وقت کہا گیا کہ آپ کو غلطی لگی ہے، یہ شیشہ منڈھا ہوا ہے، آپ اس کے اوپر سے بغیر قدم تر کیے آ سکتی ہیں۔

جب سیدنا سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچیں تو آپ نے ان کے کان میں صدائے توحید ڈالی اور سورج پرستی کی مذمت سنائی، اس محل کو دیکھتے ہی، اس حقیقت پر نظر ڈالتے ہی اور دربار کے ٹھاٹھ دیکھتے ہی اتنا تو وہ سمجھ گئی تھیں کہ میرا ملک تو اس کے قریب بھی نہیں، نیچے پانی ہے، اوپر شیشہ ہے، درمیان میں تخت سلیمان ہے، اوپر سے پرندوں کا سایہ ہے، جن وانس سب حاضر اور تابع فرمان ہیں، جب اسے توحید کی دعوت دی گئی تو بے دینوں کی طرح اس نے بھی زندیقانہ جواب دیا، جس سے اللہ کی توحید میں گستاخی لازم آتی تھی، اسے سنتے ہی سیدنا سلیمان علیہ السلام اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑے اور آپ کو دیکھ کر آپ کا سارا لشکر بھی۔ اب تو وہ بہت نادم ہوئی، ادھر سے سیدنا سلیمان علیہ السلام نے ڈانٹا کہ کیا کہہ دیا، اس نے کہا: مجھ سے غلطی ہوئی اور اسی وقت رب کی طرف جھک گئی اور کہنے لگی: اے اللہ! میں نے اپنے اوپر ظلم کیا، اب میں سیدنا سلیمان علیہ السلام کے ساتھ رب العالمین پر ایمان لے آئی، چنانچہ سچے دل سے مسلمان ہوگئی۔ [1]

اور بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام نے اس سے نکاح کر لیا، اب آپ سوچیں اور غور وفکر کریں کہ اتنی بڑی رانی ہو کر انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبردار ہوگئیں، توحید اور اتباع سنت کے مقابلے میں باپ دادا کے رسم و رواج کو چھوڑ دیا اور سچی اور پکی مسلمان ہوگئیں، آپ بھی اپنے اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کریں اور حق بات کے مقابلے میں باپ دادا کے رسم و رواج کو چھوڑ یں۔

[1] تفسیر ابن کثیر اردو مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ: 4/77، 84.

سیدہ حنہ رضی اللہ عنہا

یہ عمران کی بیوی اور سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کی ماں ہیں، بڑی نیک اور پاک نیت والی خاتون تھیں، انہیں عبادتِ الٰہی اور خدمت گزاری کا بڑا شوق تھا، جب یہ امید سے ہوئیں تو خوشی میں آ کر نذر مان لی کہ جو بچہ میرے پیٹ میں ہے اس کو بیت المقدس کے لیے آزاد چھوڑ دوں گی، وہ اللہ تعالیٰ کے گھر کی خدمت کرے گا، اس سے دنیا کا کوئی کام نہیں لیا جائے گا، اس زمانے میں لوگ ایسی نذریں بھی مانا کرتے تھے۔

چنانچہ حنہ رضی اللہ عنہا کے پیٹ سے خلاف توقع لڑکی پیدا ہوئی، انہیں بڑا افسوس ہوا، کہنے لگیں: الٰہی لڑکی پیدا ہوگئی اور یہ لڑکے کے برابر نہیں ہوسکتی، مجبور ہوگئی ہوں نذر کیسے پوری کروں، چونکہ اس لڑکی سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہونے والے تھے اور اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف تھا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی لڑکی ہزاروں لڑکوں سے اچھی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس نذر کو قبول فرما لیا اور اس کا نام مریم رکھا گیا جو بعد میں بڑی کرامت اور بزرگی والی عورت ثابت ہوئیں۔ سیدنا زکریا علیہ السلام نے ان کی پرورش کی، قرآن مجید میں ان کا بیان اس طرح آیا ہے:

﴿إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا﴾[1]

[1] 3/آل عمران: 35، 37۔

''جب عمران کی بیوی نے کہا: اے میرے رب! جو بھی میرے پیٹ میں ہے میں اس کو (دنیاوی کاموں) سے آزاد کرتی ہوں، تو میری طرف سے اسے قبول فرما، بلاشبہ تو سنتا اور جانتا ہے، پھر جب (عمران کی بیوی کو) وضع حمل ہوا تو اس نے کہا: اے پروردگار! میرے ہاں تو لڑکی پیدا ہوئی، حالانکہ جو کچھ اس سے پیدا ہوا تھا اللہ اس سے خوب واقف تھا اور لڑکا اس لڑکی کی طرح نہیں ہو سکتا تھا اور میں نے اس کا نام مریم رکھا اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان ملعون (کے شر) سے تیری پناہ میں دیتی ہوں، بالآخر اللہ نے اس کو قبول کیا اور اچھی طرح نشوونما کی۔''

اب آپ سوچیں کہ سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کی والدہ سیدہ حنہ رضی اللہ عنہا کیسی پاکیزہ اور نیک نیت خاتون تھیں، ان کی پاکیزہ نیت کی برکت سے جو اولاد پیدا ہوئی وہ ایک اولوالعزم نبی کی ماں بنیں اور ان کے ذریعے سے اللہ کی مخلوق کو ہدایت نصیب ہوئی، آپ بھی اپنی نیتوں کو پاک رکھیں اور جو کام بھی کریں وہ خاص اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کریں، کسی کو دکھانے اور سنانے کے لیے ہرگز نہ کریں۔

سیدہ مریم رضی اللہ عنہا

ابھی آپ اوپر سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کی پیدائش کا بیان پڑھ چکے ہیں، جب یہ پیدا ہوئیں تو ان کی والدہ اپنی منت کے مطابق انہیں لے کر بیت المقدس آ گئیں اور وہاں کے خدام سے کہا: اسے ان لوگوں میں شامل کر لو جو اس مقدس گھر کی خدمت کے لیے وقف ہیں، لہٰذا خود ہی اس کی پرورش بھی کریں۔ جب وہاں کے خدام نے یہ سنا تو ہر ایک نے سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کی پرورش میں رغبت ظاہر کی، کیونکہ وہ ان کے سردار عمران کی صاحبزادی تھیں جو کہ بیت المقدس کے امام تھے۔

اس وقت سیدنا زکریا علیہ السلام نے فرمایا: میں اس کی پرورش کروں گا، اور اس کی پرورش پر میرا حق اس لیے بھی زیادہ ہے کیونکہ میں اس کا خالو ہوں جبکہ اس کی خالہ میری بیوی ہے اور خالہ ماں کی طرح ہے، آخر قرعہ اندازی کی نوبت آ گئی، انیس آدمیوں نے، جو کفالت چاہتے تھے، نہرِ اُردن میں تورات لکھنے کے لیے استعمال ہونے والے قلم ڈالے اور کہا: جس کا قلم پانی میں بیٹھ جائے گا وہی سیدہ مریم علیہا السلام کی کفالت کرے گا۔

یہ دولت اللہ تعالیٰ نے سیدنا زکریا علیہ السلام کے نصیب میں لکھی تھی۔ اس لیے ان کا قلم پانی میں ٹھہر گیا اور باقیوں کے قلم بہہ گئے۔ سیدنا زکریا علیہ السلام نے سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کی پرورش شروع کر دی اور سب سے الگ ایک مستقل حجرہ ان کے لیے بنا دیا، جس میں سوائے سیدنا زکریا علیہ السلام کے کوئی نہیں جا سکتا تھا، سیدنا زکریا علیہ السلام جب حجرے کے اندر سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے تو سردی کے موسم میں گرمی کے جبکہ گرمی کے موسم میں سردی کے میوہ جات ان کے پاس موجود پا کر تعجب کرتے۔ ایک روز دریافت کرنے لگے: اے مریم! تمہارے پاس یہ میوے کہاں سے آتے ہیں؟ سیدہ مریم رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: یہ اللہ کے پاس سے آتے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ؕ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾[1]

''اور زکریا علیہ السلام کو اس (مریم رضی اللہ عنہا) کا کفیل بنایا، جب زکریا (علیہ السلام) اس کے پاس حجرے میں جاتے تو اس کے پاس روزی رکھی ہوئی پائی، بولے: اے مریم! یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا ہے؟ (مریم رضی اللہ عنہا نے) کہا: یہ اللہ کے پاس سے آیا ہے، بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔''

جب بیت المقدس میں رہتے رہتے سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کو ایک عرصہ بیت گیا اور وہ جوان ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ کو اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار مقصود ہوا یعنی ایک جلیل القدر اور عظیم الشان نبی کی پیدائش ایک پاکدامن، باعصمت عورت کے پیٹ سے منظور ہوئی۔ ایک روز مریم رضی اللہ عنہا غسل سے فارغ ہو کر اپنے حجرے میں بیٹھی تھیں کہ انسان کی شکل میں جبرائیل علیہ السلام نظر آئے، سیدہ مریم رضی اللہ عنہا نے اجنبی مرد کو سامنے دیکھ کر اللہ سے پناہ مانگی اور فرمایا: اگر تو متقی اور پاک دامن شخص ہے تو اجنبی عورت کے سامنے کیوں آیا ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: میں فرشتہ ہوں اور آپ کو بشارت دینے کے لیے آیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سعادت مند ہونہار لڑکا عطا فرمائے گا۔ سیدہ مریم رضی اللہ عنہا نے کہا: میں کسی مرد کے پاس نہیں گئی اور نہ میری شادی ہوئی ہے، پھر میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کا ایسا ہی حکم ہے اور وہ ایسا ہی کرے گا، پھر جبرائیل علیہ السلام نے قریب آ کر سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کے گریبان میں اللہ کا کلمہ پھونک دیا، جس سے بحکم الٰہی وہ حاملہ ہو گئیں اور جب بچے کی پیدائش کا وقت آیا تو بیت اللحم کے ایک گوشے میں کھجور کے ایک خشک درخت کے نیچے جا کر بیٹھ گئیں، جہاں کوئی مونس و غمخوار تھا نہ کھانے پینے کا سامان، اس کے ساتھ ساتھ تنہائی، بے کسی اور پھر رسوائی کا اندیشہ بھی تھا۔

[1] 3/ آل عمران: 37۔

دردِ زہ کی شدت شروع ہوئی، تو بتقاضائے بشری گھبرا گئیں۔ بولیں: کاش میں مرجاتی اور نیست و نابود ہو جاتی اور میرا نام و نشان بھی نہ رہتا۔ اسی پریشانی کے عالم میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، ایک جانب سے آواز آئی: پریشان نہ ہوں، آپ کے نیچے چشمہ جاری کر دیا گیا ہے، اس کا پانی پییں اور کھجور کے اس خشک درخت کو ہلائیں، اس سے تازہ کھجوریں گریں گی اور آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے تو لخت جگر ہی کافی ہے، اگر آپ سے اس معاملے کے متعلق کوئی دریافت کرے تو اس لڑکے کی طرف اشارہ کر دینا اور کہنا: میں تو خاموشی کے روزے سے ہوں، لہٰذا کسی سے بات نہیں کروں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، سورۂ مریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ اِنِّيْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَ لِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَ رَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَ كَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَ هُزِّيْۤ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ فَكُلِيْ وَ اشْرَبِيْ وَ قَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْۤ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۝ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ۝ يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۝ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۟ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝ وَّ جَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ ۫ وَ لَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝

وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴾ [1]

''اے نبی! اپنی کتاب میں مریم کا ذکر کریں، جس وقت وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ مشرق کی جانب مکان میں جا بیٹھیں اور ایک پردے کی آڑ کر لی۔ ہم نے ان کے پاس جبرائیل کو بھیجا جو مکمل آدمی کی شکل میں ان کے سامنے گئے، مریم نے کہا: اگر تو پرہیزگار ہے تو میں تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں، جبرائیل نے کہا: میں تیرے رب کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں، تجھے (اللہ کے حکم سے) ایک پاکیزہ لڑکا عنایت کرنے آیا ہوں، مریم نے کہا: میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہوگا؟ مجھے کسی مرد نے چھوا ہے نہ ہی میں بدکار ہوں، فرشتہ بولا: اسی طرح (ہوگا) تیرے رب نے فرما دیا ہے کہ یہ میرے لیے آسان ہے، غرض یہ ہے کہ ہم اسے لوگوں کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنائیں گے اور اپنی رحمت قرار دیں گے اور یہ امر طے شدہ ہے، الغرض مریم (علیہا السلام) حاملہ ہوگئیں اور اس (حمل) کو لے کر دور الگ جگہ چلی گئیں اور دردِ زہ انہیں ایک کھجور کی جڑ میں لے گیا، بولیں: کاش میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی اور بھولی بسری بن گئی ہوتی، ان کے نیچے سے فرشتے نے آواز دی کہ رنجیدہ مت ہوں، آپ کے رب نے آپ کے نیچے چشمہ جاری کر دیا ہے اور اس کھجور کی جڑ کو اپنی طرف ہلائیں، پکی پکائی کھجوریں آپ کے اوپر گریں گی، لہٰذا کھائیں، پئیں اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں اور کوئی آدمی آپ کو نظر آئے تو (اشارے سے اس سے) کہہ دینا کہ میں نے تو رحمٰن کے لیے (چپ کے روزے کی منت مان رکھی ہے، لہٰذا آج تو کسی سے بات نہیں کروں گی، پس مریم اس بچے کو گود میں اٹھا کر اپنی قوم کے پاس آئیں تو قوم والے بولے: اے مریم! تو نے بڑے غضب و غصے (کو واجب کرنے) والا کام کیا، اے ہارون کی بہن! تیرا باپ برا آدمی تھا نہ تیری ماں ہی بدکار تھی۔ مریم نے

[1] 19/ مریم: 16-33۔

بچے کی طرف اشارہ کیا، وہ لوگ بولے: ہم پیدائشی بچے سے کیسے بات کریں؟ (لیکن بچہ بول اٹھا اور) کہا: میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا کی اور مجھے نبی بنایا، میں جہاں کہیں بھی رہوں اس نے مجھے بابرکت بنایا ہے اور تاحیات نماز وزکوۃ (ادا کرنے) کا حکم دیا ہے اور مجھے اپنی والدہ کا تابعدار بنایا ہے اور مجھے سرکش اور بدبخت (لوگوں میں شامل) نہیں کیا اور مجھ پر سلام ہے جس دن میں پیدا ہوا جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔"

سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کے ان واقعات پر غور کریں کہ کیسے اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ ذکر خیر قرآن مجید میں باقی رکھا ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار اور نیک بندی تھیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی عفت وعصمت اور پاکدامنی کی بڑی تعریف فرمائی ہے ارشاد باری ہے:

﴿ وَ مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴾[1]

"مریم بنت عمران کی بھی اللہ نے مثال بیان فرمائی ہے کہ جس نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی، پھر ہم نے اپنی طرف سے اس میں جان پھونک دی، (مریم رضی اللہ عنہا) اپنے رب کی باتوں اور کتابوں کو مانتی تھی اور عبادت گزار بندیوں میں سے تھیں۔"

سیدہ مریم رضی اللہ عنہا اسی عصمت وعفت اور عبادت گزاری کی وجہ سے ولایت کے درجے پر پہنچ گئی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مردوں میں تو صاحب کمال بہت گزرے ہیں، لیکن عورتوں میں صرف سیدہ آسیہ رضی اللہ عنہا جو فرعون کی بیوی تھیں اور سیدہ مریم رضی اللہ عنہا بنت عمران (ہی کمال کو پہنچی ہیں)۔"[2] اگر آپ بھی صاحب کمال بننا چاہتی ہیں تو اپنے نفس کی حفاظت کریں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کریں۔

[1] 66/ التحریم: 12۔ [2] صحیح البخاری، کتاب أحادیث ألانبیاء، باب قول اللّٰہ تعالیٰ ضرب اللّٰہ مثلاً للذین اٰمنوا: 3411.

کِفل کی رہنما خاتون

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی مرتبہ یہ قصہ سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''بنی اسرائیل میں کِفل نامی ایک شخص تھا جو رات دن برائیوں میں پھنسا رہتا تھا۔ کوئی گناہ ایسا نہ تھا جو اس سے چھوٹا ہو، نفس کی کوئی بری خواہش ایسی نہ تھی جو اس نے پوری نہ کی ہو۔ ایک مرتبہ ایک عورت کو ساٹھ دینار دے کر اسے زنا کاری کے لیے آمادہ کیا، جب تنہائی میں اپنے برے کام کے ارادے پر مستعد ہوا تو وہ نیک بخت تھرانے اور کانپنے لگی، اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں، چہرے کا رنگ فق ہو گیا، رونگٹے کھڑے ہو گئے اور کلیجا بانسوں اچھلنے لگا، کِفل نے حیران ہو کر پوچھا: اس خوف اور دہشت کی وجہ کیا ہے؟ اس پاک باطن، شریف النفس اور باعصمت لڑکی نے اپنی لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا: مجھے اللہ کے عذاب کا خیال ہے، اس برے فعل کو ہمارے پیدا کرنے والے نے ہم پر حرام کر دیا ہے، یہ فعل بد ہمیں ہمارے مالک اللہ ذوالجلال کے سامنے ذلیل ورسوا کر دے گا۔ منعم حقیقی محسن قدیمی کی یہ نمک حرامی ہے، واللہ! میں نے کبھی اللہ کی نافرمانی کی جرأت نہیں کی، ہائے! حاجت، فقروفاقہ، میری کم صبری اور بے استقلالی نے مجھے یہ برا دن دکھایا کہ جس کی لونڈی ہوں اسی کے سامنے اس کے دیکھتے ہوئے اس کی نافرمانی کرنے پر آمادہ ہوں، اپنی عصمت بیچنے اور اپنے دامن پر دھبہ لگانے کے لیے تیار ہو گئی ہوں، لیکن اے کِفل! اللہ تعالیٰ کا خوف مجھے گھلائے جا رہا ہے، اس کے عذاب کا کھٹکا کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے۔ ہائے! آج کا دو گھڑی کا لطف صدیوں تک خون تھکوائے گا اور عذاب الٰہی کا ذریعہ بنے گا۔ اے کِفل! اللہ کے لیے اس بدکاری سے باز آ جا اور میری جان پر رحم کر، آخر اللہ کو منہ دکھانا ہے۔

اس نیک، پاک دامن اور باعصمت مآب خاتون کی پُر اثر اور بے لوث سچی تقریر اور

خیر خواہی نے کِفل پر اتنا گہرا اثر ڈالا اور چونکہ دل سے نکلنے والی آواز دل میں گھر کر جاتی ہے، ندامت اور شرمندگی چاروں طرف سے گھیر لیتی ہے اور عذاب الٰہی کی خوفناک شکلیں ایک دم آنکھوں کے سامنے ہر طرف حتیٰ کہ درودیوار سے دکھائی دینے لگتی ہیں۔ جسم بے جان ہو جاتا ہے، قدم بھاری ہو جاتے ہیں، دل تھرا جاتا ہے۔ ایسا ہی کِفل کو معلوم ہوا، وہ اپنے انجام پر غور کر کے، اپنی سیاہ کاریاں یاد کر کے رو دیا اور کہنے لگا: اے پاک باز عورت! تو محض ایک گناہ اور وہ بھی ناکردہ پر اس قدر کبریائے ذوالجلال سے لرزاں ہے، ہائے میری تو ساری عمر بدکاریوں اور سیاہ کاریوں میں گزر گئی، خوف الٰہی کو کبھی پاس نہیں پھٹکنے دیا، عذاب الٰہی کی کبھی بھول کر بھی پروانہیں کی، ہائے میرا مالک مجھ سے غصے ہوگا، اس کے عذاب کے فرشتے میری تاک میں ہوں گے، مجھے تو تیری نسبت بہت زیادہ اللہ سے ڈرنا چاہیے، نہ جانے میدان حشر میں میرا کیا حال ہوگا؟ اے پاکباز عورت! گواہ رہ، میں آج تیرے سامنے سچے دل سے توبہ کرتا ہوں کہ آئندہ اللہ کی ناراضگی کا کوئی کام نہیں کروں گا، اللہ کی نافرمانیوں کے پاس کبھی نہ پھٹکوں گا، میں نے وہ رقم تمہیں اللہ کے واسطے دی اور میں اپنے ناپاک ارادے سے ہمیشہ کے لیے باز آیا، پھر بصد گریہ وزاری جناب باری میں توبہ واستغفار کیا اور رو رو کر اپنے اعمال کی سیاہی دھوئی، دامنِ امید پھیلا کر دستِ دعا دراز کیا کہ باری تعالیٰ میری سرکشی پر درگزر فرما، مجھے اپنے دامن عفو میں چھپا، میرے گناہوں سے چشم پوشی فرما، مجھے اپنے عذاب سے آزاد فرما۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''اسی رات کفل کا انتقال ہو گیا، صبح کو لوگ اٹھے اور دیکھا کہ اس کے دروازے پر قدرتاً لکھا ہوا ہے: ((أَنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لِكِفْلٍ)) ''اللہ تعالیٰ نے کفل کے سارے گناہ معاف کر دیے۔''[1]

آپ غور کریں کہ اس پاک دامن خاتون نے ایسی مصیبت کے وقت میں خود بھی اور کفل کو بھی حرام سے بچایا، جس سے اس کی بخشش ہوگئی۔ سچ ہے اگر عورتیں حرام کاموں سے بچیں تو مردوں کو بھی حرام کاموں سے بچا سکتی ہیں۔

[1] سنن الترمذي، ابواب صفة القيامة والرقاق والورع، باب فيه اربعة احاديث: 2496 ؛ المستدرك للحاكم: 7651، مسند أحمد: 2/ 23۔

بنی اسرائیل کے راہب کو سمجھانے والی عورت

موطا امام مالک میں ہے، جناب قاسم بن محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میری بیوی کا انتقال ہو گیا تو محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ تعزیت کے لیے میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: بنی اسرائیل میں ایک راہب بڑے نیک، دیندار اور سمجھ دار تھے، انہیں اپنی بیوی سے بڑی محبت تھی انہیں وہ بہت پسند تھی، اللہ کے حکم سے وہ مر گئی، جس کے سبب راہب کو بڑا رنج اور صدمہ ہوا، یہاں تک کہ راہب نے زیادہ صدمے کی وجہ سے دوست احباب اور لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا اور دروازہ بند کر کے گھر میں بیٹھ گئے، کوئی ان کے پاس آ جا نہیں سکتا تھا۔

بنی اسرائیل کی ایک نیک عورت نے جب یہ واقعہ سنا تو راہب کے گھر آئی اور کہا: مجھے آپ سے تنہائی میں ایک فتویٰ دریافت کرنا ہے اور آمنے سامنے بالمشافہ پوچھنا ہے پس لوگ چلے گئے جبکہ وہ جم کر دروازے پر بیٹھ گئی اور کہا: بغیر پوچھے یہاں سے ہرگز نہیں جاؤں گی۔ آخر کار جب راہب کو یقین ہو گیا (کہ یہ مسئلہ پوچھے بغیر نہیں جائے گی) تو اس نے اسے گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ اور اس عورت سے کہا: بولو کیا پوچھنا ہے؟ اس نے عرض کی:

"اِنِّی اسْتَعَرْتُ مِنْ جَارَةٍ لِی حُلِیًّا"

میں نے اپنی پڑوسن سے زیور اُدھار مانگ کر لیا تھا۔

میں اسے ایک مدت تک استعمال کرتی اور پہنتی رہی ہوں، اب اس نے آدمی کو بھیج کر یہ مطالبہ کیا ہے کہ میں اس کے زیورات اسے واپس کر دوں تو کیا میں ان کو واپس دے دوں یا نہیں؟ راہب نے فرمایا: ہاں، اللہ کی قسم! واپس کر دو۔

اس عورت نے کہا:

"اِنَّهُ قَدْ مَكَثَ عِنْدِيْ زَمَانًا"

وہ میرے پاس بہت زیادہ عرصے سے ہیں۔ (اب میں اسے کیسے واپس کردوں؟)

راہب نے کہا:

"ذٰلِكَ اَحَقُّ لِرَدِّكِ اِيَّاهُ"

"پھر تو واپس کردینا زیادہ ضروری ہے۔"

جبکہ دینے والے نے ایک عرصے تک نہیں مانگا، یہ اس کا بڑا احسان ہے۔

اس عورت نے کہا:

"يَرْحَمُكَ اللّٰهُ اَفَتَاَسَّفُ عَلٰى مَا اَعَارَكَ اللّٰهُ، ثُمَّ اَخَذَهُ مِنْكَ وَهُوَ اَحَقُّ بِهِ مِنْكَ"

(اے راہب!) اللہ آپ پر رحم کرے، پھر آپ کیوں رنج وغم میں پڑے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے بھی تو اپنی دی ہوئی چیز ہی آپ سے واپس لی ہے اور وہ آپ سے زیادہ اس کا حق رکھتا ہے۔

یہ سن کر راہب کی آنکھیں کھل گئیں اور رنج وغم جاتا رہا اور اس عورت کی نصیحت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نفع پہنچایا۔[1]

آپ نے دیکھا کہ وہ کیسی سمجھدار اور عقلمند عورت تھی اس نے راہب کو کس طرح سمجھایا، جس سے معاملہ اس کی سمجھ میں آ گیا۔ سو آپ بھی مصیبت میں صبر کریں اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین کریں۔

[1] موطا إمام مالك: 332/2، ٣٣٣؛ رقم: 811.

سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کا واقعہ

تقریباً اسی طرح کا واقعہ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کا بھی ہے، یہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیہ ہیں اور آپ کے ہمراہ کئی غزوات اور لڑائیوں میں شریک رہی ہیں اور مجاہدین کی خدمت کی ہے۔ یہ بڑی نیک اور صابرہ صحابیہ خاتونِ جنت ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے، سیدنا ابوعمیر رضی اللہ عنہ ان کے صاحبزادے تھے، وہ بلبل پرندے سے کھیلتے تھے، اتفاق سے بلبل مر گیا، بچے کو بڑا صدمہ ہوا، آپ نے مذاق سے کہا: «يَا أَبَا عُمَيْرٍ! مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ؟» ''اے ابوعمیر! تیرے بلبل کو کیا ہوا؟''[1]

یہ والدین کے بڑے چہیتے تھے، سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اس کے باپ ہیں، انہیں بھی اس بچے سے بڑی محبت تھی۔ اللہ کے حکم سے وہ بچہ بیمار ہو گیا، سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اس بچے کی دوا کا اہتمام کرتے رہے، ایک دن وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ان کی عدم موجودگی میں ان کے پیارے بچے ابوعمیر کا انتقال ہو گیا، سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے، جو کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، خیال کیا کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا روزہ ہے، اگر ان کو بچے کا انتقال ہونا معلوم ہو گیا تو کھانا نہیں کھائیں گے اور نہ رات کو آرام سے سوئیں گے، جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا، سب سوچ سمجھ کر بڑی ہوشیاری اور صبر سے کام لیا کہ بچے کو نہلا دھلا کر کفن پہنایا اور چارپائی پر لٹا دیا، اوپر سے چادر اوڑھادی اور گھر کے ایک گوشے میں چارپائی رکھ دی، اس سے فارغ ہو کر اچھا کھانا تیار کیا اور خود اپنے آپ کو سنوار لیا اور خوشبو وغیرہ لگائی، رات کو سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو بچے کے متعلق دریافت کیا: ''كَيْفَ الْغُلَامُ؟''

[1] سنن أبي داود، كتاب ألادب، باب في الرجل يكنى وليس له ولد:4969.

بچے کا کیا حال ہے؟ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''قَدْ هَدَأَتْ نَفْسُهُ وَاَرْجُوا اَنْ يَّكُوْنَ قَدْ اِسْتَرَحَ'' وہ سکون اور آرام کی نیند سو گیا ہے اور مجھے امید ہے کہ اسے اب بالکل آرام ہو گیا ہے۔

سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے خیال کیا کہ صحیح کہہ رہی ہیں، بے فکر ہو کر کھانا کھایا، چونکہ اس دن ام سلیم رضی اللہ عنہا بن ٹھن کر بظاہر خوش تھیں اور سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بچے کے اچھے ہو جانے سے بھی بے فکر ہو گئے، ان کو بھی ایک گونہ خوشی تھی، بیوی کو بھی خوش دیکھا، دونوں میاں بیوی ساتھ سو گئے اور رات حق زوجیت ادا کیا، جب صبح فجر کی نماز پڑھنے کے لیے جانے لگے تو سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: ذرا ٹھہر جائیے!

''لَوْ اَنَّ قَوْمًا اَعَارُوْا اَهْلَ بَيْتٍ عَارِيَةً طَلَبُوْا عَارِيَتَهُمْ اَلَهُمْ أَنْ يَمْنَعُوْهُمْ؟ قَالَ اَبُوْ طَلْحَةَ: لَيْسَ لَهُمْ ذٰلِكَ اَنَّ الْعَارِيَةَ مُؤَدَّاةٌ اِلَى اَهْلِهَا''

اگر کوئی کسی کو کوئی چیز چند دنوں کے لیے ادھار دے، پھر اپنی چیز کا مطالبہ کرے تو کیا اسے وہ چیز روکے رکھنے یا نہ دینے کا حق ہے؟ سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: مانگی ہوئی چیز کو روکنے کا کوئی حق نہیں، بلکہ وہ مانگی ہوئی چیز اس کے اصلی مالک کو ادا کر دینا چاہیے۔

سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''اِنَّ اللّٰهَ اَعَارَنَا فُلَانًا ثُمَّ اَخَذَهُ فَاحْتَسِبْ اِبْنَكَ''

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک چیز عاریۃً دی تھی، پھر اس نے واپس لے لی، اپنے بیٹے کے بارے میں یوں ہی سمجھ لیجیے۔ یعنی اس کا انتقال ہو گیا ہے، لہٰذا اب آپ صبر کیجیے۔

سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھتے ہوئے نماز کے لیے تشریف لے گئے، نماز کے بعد سارا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا، آپ نے برکت کی دعا کی، چنانچہ اس رات کی ہم بستری سے حمل ٹھہر گیا اور عبداللہ نامی بچہ پیدا

ہوا اور ان کے بعد یکے بعد دیگرے نو بچے پیدا ہوئے جو سب کے سب بڑے نیک بخت اور قاریٔ قرآن تھے۔ [1]

آپ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے اس واقعے سے سبق سیکھیں کہ کس طرح خاوند کو آرام پہنچایا جاتا ہے اور کس طرح مصیبت میں صبر کیا جاتا ہے اور اس صبر کے بدلے میں دنیا ہی میں کیا انعام ملتا ہے، صبر و استقلال اور استقامت بڑی چیز ہے، ماں اگر صبر اور ہمت والی ہو تو اولاد پر بھی اس کا اثر پڑے گا، اس میں شجاعت اور بہادری ہو تو اولاد میں بھی شجاعت اور بہادری آئے گی۔

[1] السنن الكبرى للبيهقي: 7130:109/4؛ مسندأحمد: 14065؛ وبعضه في صحيح مسلم،كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي طلحة رضي الله عنه: 2144/107.

سیدہ خنساء رضی اللہ عنہا کی بہادری

سیدہ خنساء رضی اللہ عنہا کا واقعہ یاد آ گیا، آپ کی معلومات کے لیے بیان کر رہا ہوں، سیدہ خنساء رضی اللہ عنہا مشہور شاعرہ تھیں، اپنی خوشی سے اپنی قوم کے ساتھ مدینہ میں آ کر مسلمان ہوئیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں قادسیہ کی مشہور جنگ ہوئی، اس لڑائی میں اپنے چاروں بیٹوں سمیت شریک ہوئیں، ان نوجوان لڑکوں کو جنگ سے ایک دن پہلے بڑی نصیحت کی اور لڑائی میں شرکت کی ترغیب دی، فرمانے لگیں:

میرے پیارے بیٹو! تم اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے ہو اور اپنی ہی مرضی سے تم نے ہجرت کی، ان کاموں کے لیے تمہیں کسی نے مجبور نہیں کیا، اللہ کی قسم! جس طرح ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہو، اسی طرح تم سب ایک ہی باپ کی اولاد ہو، میں نے نہ تمہارے باپ کی خیانت کی اور نہ تمہارے ماموؤں کو بدنام کیا اور نہ تمہاری شرافت میں کوئی دھبہ لگایا اور نہ تمہارے نسب کو خراب کیا، تمہیں معلوم ہے کہ آخرت باقی رہنے والی ہے اور دنیا فنا ہونے والی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾[1]

''اے ایمان والو! تکلیفوں میں صبر کرو اور صبر کی تلقین کرو اور کفار کے مقابلے میں تیار رہو اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

کل صبح جب صحیح سالم اٹھو اور لڑائی کی جلتی ہوئی آگ دیکھو تو اس کے انگاروں میں

[1] 3/ آل عمران: 200۔

گھس جانا اور کافروں کا خوب مقابلہ کرنا، اللہ نے چاہا تو تم جنت میں نہایت عزت و اکرام کے ساتھ داخل ہو گے، چنانچہ جب صبح ہوئی اور لڑائی کی آگ خوب تیز ہو گئی تو چاروں لڑکوں میں سے ایک ایک لڑکا اپنی باری آنے پر آگے بڑھتا اور اپنی ماں کی نصیحت کو اشعار میں پڑھ کر جوش پیدا کرتا اور جنگ کی آگ میں کود پڑتا اور بہادری کے جوہر دکھا کر شہید ہو جاتا۔ اسی طرح دوسرا بڑھتا اور بہتوں کو موت کے گھاٹ اتار کر شہید ہو جاتا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے چاروں اپنی ماں کے سامنے میدانِ جنگ میں شہید ہو گئے، ماں کو ان کی شہادت کی خبر پہنچی تو اللہ کا شکر ادا کیا اور کہا: اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے ان کی شہادت سے مشرف و مکرم بنایا، مجھے امید ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سائے میں ان لڑکوں کے ساتھ رہوں گی۔ [1]

آپ سیدہ خنساء رضی اللہ عنہا کی اس داستانِ شجاعت سے بہادری اور صبر سیکھیں۔

[1] اسد الغابہ: 7/89: رقم الترجمۃ: 6883.

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا ذکرِ خیر

سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کا ذِکر خیر نہایت ضروری ہے، اس لیے کہ ان سے ہمیں قرآن و حدیث کا علم ملا ہے اور اسلام کی بہت سی باتیں ان کے ذریعے ہم تک پہنچی ہیں۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے بڑے بڑے درجے اور مرتبے ہیں، کیونکہ ان نیک بخت بیویوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی تابعداری کی ہے اور بڑی تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ ان کا ذکرِ خیر باعث خیر و برکت اور موجب نصیحت ہے۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی ہی نہیں بلکہ امت میں آپ پر سب سے پہلے ایمان لانے والی خاتون بھی ہیں۔ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے 15 سال بڑی تھیں۔[1]

عرب کے بڑے شریف خاندان سے تعلق تھا، بیوہ تھیں لیکن نہایت عزت اور فارغ البالی سے رہتی تھیں، بہت مال دار اور رئیسہ تھیں، بڑی عقلمند اور دانا تھیں، اپنے مال سے تجارت کرتی تھیں، جنہیں امانت دار اور معتبر سمجھتیں انہیں اپنا مال تجارت کے لیے دے دیتی تھیں۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امین کے لقب سے مشہور تھے، لہذا آپ کو بھی مالِ تجارت دیا اور آپ ملک شام وغیرہ میں اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ تجارت کے لیے تشریف لے گئے۔ وہ آپ سے بڑی محبت اور آپ کی بڑی عزت کرتی تھیں اور ہر بات میں آپ کی مرضی کو مقدم سمجھتی تھیں، جس وقت آپ کا نکاح ہوا اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر صرف پچیس برس تھی، آپ بھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بڑی محبت کرتے تھے۔ جب تک سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں آپ نے دوسرا نکاح نہیں کیا، آپ کی ساری اولاد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی علاوہ ایک بیٹے کے، آپ کی چاروں بیٹیاں سیدہ زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن اور دو صاحبزادے قاسم اور عبداللہ رضی اللہ عنہما سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے ہوئے۔[2]

لڑکے بچپن ہی میں داغ مفارقت دے کر اللہ کو پیارے ہو گئے جبکہ بیٹیاں ایک عرصے تک زندہ رہیں اور شادیاں ہو جانے کے بعد فوت ہوئیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بڑی برکت والی ہیں اللہ نے انہیں اولاد جیسی نعمت سے نوازا۔ آپ کے بیٹے سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے پیدا ہوئے تھے، وہ بھی بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔

[1] الإصابة في تمييز الصحابة: 281/4، رقم الترجمه: 334، الطبقات لابن سعد: 10/8، رقم الترجمه: 4088. [2] الإصابة في تمييز الصحابة: 281/4.

چند برس تک رسول اللہ ﷺ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا دونوں نہایت آرام و سکون کی زندگی بسر کرتے رہے، نہ کوئی مخالف تھا نہ کوئی دشمن، اس کے بعد آپ کو نبوت ملی، اس سے پہلے آپ سچے خواب دیکھا کرتے تھے، غارِ حرا میں عبادت الٰہی کے لیے تشریف لے جاتے، اسی غار میں جبکہ آپ وہاں عبادت الٰہی میں مصروف تھے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی، جس سے آپ ڈر گئے اور کانپتے ہوئے گھر تشریف لائے، گھر والوں سے فرمایا: ''مجھے جلدی کپڑا اڑھا دو۔'' کپڑا اڑھا دیا گیا، جب خوف جاتا رہا اور اطمینان ہو گیا تو اپنی سچی اور ہمدرد و غم گسار بیوی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے سارا واقعہ بیان کر کے فرمایا: ((اِنِّي خَشِيْتُ عَلَى نَفْسِيْ)) ''مجھے (اس معاملے میں) اپنی جان کا خوف ہے۔''

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''كَلَّا، وَاللّٰهِ لَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الكَلَّ، وَتَكْسِبُ المَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الحَقِّ''[1]

ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپ تو رشتے داریاں جوڑتے ہیں، ناتواں کا بوجھ اپنے سر لیتے ہیں، جو چیزیں لوگوں کے پاس نہیں ہوتیں آپ انہیں کما کر دیتے ہیں (غریبوں کی امداد فرماتے ہیں)، مہمان نوازی کرتے ہیں اور لوگوں کو حق کی طرف بلاتے ہیں۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی تسلی کے لیے آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل نے سارا واقعہ سن کر آپ کے نبی ہونے کی بشارت سنائی اور ہمدردی کا اظہار کیا۔ جب آپ کو نبوت عطا ہوئی تو کافر آپ کو ستانے لگے، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی ایسے مشکل وقت میں آپ کو تسلی دیتیں اور ہمت و دلاسا دلاتیں اور ہر قسم کی ہمدردیاں کرتیں، جس کے سبب رسول اللہ ﷺ کا صدمہ دور ہو جاتا۔

[1] صحیح البخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب ما ودعك ربك وما قلى: 4953.

نبوت کے ابتدائی زمانے میں سیدہ خدیجہ ؓ نے آپ کی بڑی خدمت کی اور جان و مال سے آپ کی مدد بھی کرتی رہیں۔ جس سے آپ کو دین الٰہی کی اشاعت کے لیے بڑی آسانیاں ملیں اور آپ سیدہ خدیجہ ؓ سے محبت کرتے تھے حتیٰ کہ ان کی وفات کے بعد بھی آپ ان کا ذکر خیر فرماتے رہتے۔ ایک دفعہ سیدہ عائشہ ؓ نے سیدہ خدیجہ ؓ کے بارے میں کچھ کہا، جس پر آپ نے فرمایا: ''خدیجہ ؓ سے بہتر مجھے کوئی بیوی نہیں ملی، وہ سب سے پہلے مجھ پر ایمان لائیں اور ایسے وقت میں میری امداد کی کہ جب مجھے کسی کے مال کا سہارا نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ساری اولاد خدیجہ ؓ سے عطا فرمائی ہے۔'' ①

ایک مرتبہ جبرائیل ؑ تشریف لائے اور آپ ﷺ سے فرمایا: ''خدیجہ ؓ ایک برتن میں کھانا لیے ہوئے آرہی ہیں، جب آپ کے پاس پہنچ جائیں تو میری طرف سے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام پیش کر دیجیے اور انہیں جنت میں موتی کے محل کی خوشخبری دے دیجیے جس میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔'' ②

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زمین و آسمان میں خدیجہ ؓ سے بہتر کوئی عورت نہیں ہے۔'' ③ یہ سب عورتوں سے اچھی ہیں اور فرمایا: ''چار عورتیں جنتی ہیں، سیدہ مریم، آسیہ، خدیجہ اور فاطمہ ؓ۔'' ④ نیز سیدہ خدیجہ ؓ کے انتقال کے بعد جب بھی آپ بکری ذبح کرتے سیدہ خدیجہ ؓ کی سہیلیوں کو ضرور گوشت کا تحفہ عنایت فرماتے۔ ⑤

بہر حال سیدہ خدیجہ ؓ بڑی نیک خاتون تھیں اور اپنے خاوند کی خدمت گزار، اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبردار تھیں۔ اگر آپ بھی خدیجہ ؓ کی طرح کریں گی تو بڑا مقام پائیں گی۔

① صحيح البخاری، كتاب مناقب ألانصار، باب تزويج النبی ﷺ خديجة وفضلها: 3818. ② صحيح البخاری، كتاب مناقب الأنصار، باب تزويج النبی ﷺ خديجة وفضلها: 3820. ③ فضائل الصحابة للإمام أحمد بن حنبل: 1336. ④ صحيح البخاری، كتاب مناقب الأنصار، باب تزويج النبی ﷺ خديجة وفضلها: 3816. ⑤ صحيح البخاری، كتاب مناقب الأنصار، باب تزويج النبی ﷺ خديجة وفضلها: 3815.

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا

یہ بھی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں، یہ اور ان کے پہلے خاوند مسلمان تھے، اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ چلی گئی تھیں، خاوند کا انتقال ہو گیا اور بیوہ ہو گئیں۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا، یہ بڑی عابدہ اور زاہدہ تھیں، کسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا، اس پر سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اب مجھے خاوند کی خواہش نہیں رہی، مگر مجھے یہ آرزو ہے کہ جنت میں میں آپ کی بیویوں میں شامل رہوں، لہٰذا آپ مجھے طلاق نہ دیں، میں اپنی باری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیتی ہوں، اس فرمائش کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرما لیا یہی وجہ تھی کہ ان کی باری کا دن بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حصے میں آتا تھا۔ [1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی بڑی تعریف کیا کرتی تھیں، فرمایا کرتی تھیں: کسی عورت کو بھی دیکھ کر مجھے یہ رشک نہیں آتا کہ میں بھی ویسی ہی ہو جاؤں سوائے سودہ رضی اللہ عنہا کے کہ انہیں دیکھ کر مجھے یہ حرص ہوتی ہے کہ میں بھی ایسی ہو جاؤں جیسی یہ ہیں۔ [2]

آپ ان کے عمل سے نصیحت حاصل کریں کہ خاوند کی مرضی کی خاطر اپنا حق دوسرے کو دے دیا، اسی کو تو ایثار کہا جاتا ہے، لہٰذا آپ بھی اپنے خاوند کی مرضی کے مطابق چلا کریں۔

[1] صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب جواز ھبتھا نوبتھا لضرتھا: 1463/47.

[2] الطبقات لابن سعد: 37/8، رقم الترجمه: 4119؛ الاصابة فی تمییز الصحابة: 338/4.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد نبوت کے دسویں سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا جبکہ آپ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت صرف چھے سال تھی نکاح کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں تین سال قیام کیا، پھر نبوت کے تیرھویں سال جب آپ نے ہجرت کی تو ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''سیدہ ام رومان، اسماء اور عائشہ رضی اللہ عنہن کو بھی یہاں لے آؤ۔''

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زید بن حارثہ اور ابو رافع رضی اللہ عنہما کو بھی سیدہ فاطمہ، ام کلثوم اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہن وغیرہ کو لانے کے لیے روانہ فرمایا۔ مدینہ میں آکر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سخت بخار میں مبتلا ہوگئیں، جس سے سر کے بال جھڑ گئے، تندرستی کے بعد سیدہ ام رومان رضی اللہ عنہا کو رسم عروسی ادا کرنے کا خیال آیا، اس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نو سال تھی، سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں کہ ان کی والدہ سیدہ ام رومان رضی اللہ عنہا نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو آواز دی، انہیں اس واقعے کی بالکل خبر نہ تھی، والدہ کے پاس آئیں تو انہوں نے منہ دھویا، بال درست کیے اور گھر میں لے گئیں جہاں انصاری عورتیں انتظار میں تھیں، یہ گھر میں داخل ہوئیں تو سب نے آپ کو مبارک باد دی، چاشت کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔[1] اور رسم عروسی ادا ہوئی، شوال میں نکاح ہوا اور شوال ہی میں رسم عروسی ادا کی گئی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نو سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں، جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی اس کے بعد

[1] صحیح البخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب تزویج النبی صلی اللہ علیہ وسلم عائشة رضی اللہ عنہا: 3894.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تقریباً اڑتالیس سال تک زندہ رہیں۔ 57ھ میں وفات پائی، اس وقت ان کی عمر چھیاسٹھ سال تھی، وصیت کے مطابق بقیع قبرستان میں رات کے وقت دفن ہوئیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بڑی عالمہ فاضلہ تھیں، ان سے دو ہزار دو سو دس (2210) احادیث مروی ہیں۔ بڑے بڑے علما کی استاد تھیں۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مردوں میں تو بہت سے لوگ کمال کے درجے کو پہنچے مگر عورتوں میں صرف سیدہ مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون ہی کمال کو پہنچی ہیں۔"

پھر آپ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا:

«وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ»[2]

"سیدہ عائشہ کو سب عورتوں پر ایسے ہی فضیلت حاصل ہے جیسے ثرید کو سب کھانوں پر۔"

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان کو طیبہ ٹھہرایا ہے اور ان کی برأت و پاکدامنی اور سچائی کے سلسلے میں ایک پورا رکوع نازل فرمایا ہے اور صحیح البخاری وغیرہ کی حدیثوں میں اس کی بڑی تفصیل ہے۔

اس واقعے سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے زہد و تقویٰ، طہارت و رفعت، عصمت و عفت، حلم و بردباری، تواضع اور خاکساری وغیرہ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، بعض دفعہ قرآن کا نزول ان کے گھر میں ہوتا تھا، فرشتے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو سلام کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ جبرائیل علیہ السلام تشریف فرما ہیں تمہیں سلام کہتے ہیں۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، وعلیہ السلام ورحمۃ اللّٰہ وبرکاۃ ان پر بھی اللہ کی

[1] اسد الغابة: 192/6، رقم الترجمة: 7085. [2] صحيح البخاري، كتاب احاديث الانبياء، باب قول الله تعالىٰ وضرب الله مثلاً للذين أمنو: 3411.

سلامتی اور رحمت و برکت نازل ہو، آپ کو وہ لوگ نظر آتے ہیں جو مجھے نہیں آتے۔ [1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سبب مسلمانوں پر بڑی بڑی برکتیں نازل ہوئی ہیں۔ تیمّم کی آسانی بھی انہی کی وجہ سے ہوئی ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا مجاہدین کی خدمت کیا کرتی تھیں۔ غزوات میں اپنے کندھوں پر پانی اٹھا کر لاتیں اور زخمیوں کو پلاتی تھیں، غریبوں کی بڑی ہمدرد تھیں، اللہ کے رستے میں بہت خرچ کرتی تھیں، یادالٰہی میں ہر دم مصروف رہتی تھیں، تواریخ اور سیرت کی کتابوں میں ان کی فضیلت اور واقعات کی پوری تفصیل ہے۔

آپ بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح بننے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔

[1] صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ: 3217.

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا
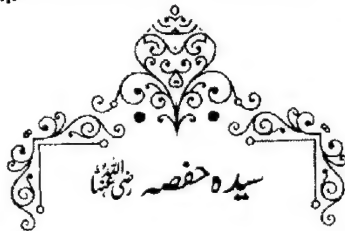
سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں، ان کے بیوہ ہو جانے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے نکاح کی فکر ہوئی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے نکاح کی درخواست کی، انہوں نے فرمایا کہ میں اس معاملے میں غور کرلوں، اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا مگر انہوں نے بھی خاموشی اختیار کی، آخر سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملے اور کہا: جب آپ نے حفصہ رضی اللہ عنہا کی بابت مجھ سے ذکر کیا میں اس وقت خاموش رہا تھا جو آپ پر ناگوار گزرا ہوگا، مگر میں نے جواب اس بنا پر نہیں دیا تھا کہ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ ذکر کیا تھا اور میں آپ کا راز فاش نہیں کرنا چاہتا تھا، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح نہ کرتے تو میں اس سے ضرور نکاح کر لیتا۔[1]

سیدنا حفصہ رضی اللہ عنہا دونوں جہانوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں، جبرائیل علیہ السلام نے ان کی تعریف میں فرمایا:

((فَإِنَّهَا قَوَّامَةٌ صَوَّامَةٌ وَإِنَّهَا زَوْجَتُكَ فِي الْجَنَّةِ))[2]

"وہ (حفصہ رضی اللہ عنہا) بہت زیادہ عبادت کرنے والی، بہت زیادہ روزے رکھنے والی ہیں اور یہ جنت میں بھی آپ کی بیوی ہیں۔"

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے اللہ کے رستے میں زمین وقف کردی تھی اور اپنے بھائی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو وصیت فرمائی تھی کہ میرا مال خیرات کر دیجیے گا۔[3]

[1] صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب: 4005، 5122. [2] الاستيعاب في معرفة الأصحاب: 1812/4. [3] الإصابة في تمييز الصحابة: 273/8، رقم الترجمه: 11053.

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

ان کا نام زینب بنت خزیمۃ رضی اللہ عنہا تھا، چونکہ فقرا کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلایا کرتی تھیں، اس لیے ام المساکین کی کنیت کے ساتھ مشہور تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے ۳ ھ میں جنگ اُحد میں شہادت پائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سال ان سے نکاح کرلیا، نکاح کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف دو تین مہینے رہنے پائی تھیں کہ فوت ہوگئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد صرف یہی ایک بیوی تھیں جنھوں نے آپ کی زندگی میں وفات پائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی جبکہ بقیع الغرقد میں دفن کی گئیں۔ وفات کے وقت ان کی عمر تیس سال تھی۔[1]

[1] الاستيعاب في معرفة الأصحاب: 46/1، 853/4، رقم الترجمة: 3359.

سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا

ان کا نام ہند اور کنیت ام سلمہ ہے۔ ان کے پہلے خاوند سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ تھے، یہ دونوں میاں بیوی اولین مسلمانوں میں سے ہیں۔ ابتدائے اسلام میں دونوں میاں بیوی نے ایک ساتھ حبشہ کی ہجرت کی۔ اس کے بعد وہاں سے واپسی پر مدینہ طیبہ کی ہجرت کی، جس کا مفصل قصہ خود ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو اونٹ پر اپنا سامان لادا اور مجھے اور میرے بیٹے سلمہ کو سوار کر کے خود اونٹ کی نکیل ہاتھ میں لے کر چل دیے، میرے میکے والوں نے دیکھ لیا۔ انہوں نے سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے کہا: تم اپنی ذات کے بارے میں تو آزاد ہو سکتے ہو مگر ہم اپنی بیٹی کو تمہارے ساتھ نہیں جانے دیں گے کہ یہ شہر شہر بھٹکتی پھرے۔

یہ کہہ کر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے اونٹ کی نکیل چھین لی اور مجھے زبردستی گھر واپس لے آئے۔ میرے سسرال والے یعنی بنوعبدالاسد کو جو کہ سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے، جب اس قصے کی خبر ملی تو وہ میرے میکے والوں سے جھگڑنے لگے کہ تمہیں اپنی لڑکی کا تو اختیار ہے مگر ہم اپنے لڑکے سلمہ کو تمہارے پاس کیوں چھوڑیں جبکہ تم نے اپنی لڑکی کو اس کے خاوند کے پاس نہیں چھوڑا اور یہ کہہ کر میرے لڑکے سلمہ کو بھی مجھ سے چھین کر لے گئے۔ اب میں، میرا لڑکا اور میرا شوہر ہم تینوں جدا جدا ہو گئے، خاوند تو مدینے چلے گئے، میں اپنے میکے میں رہ گئی اور میرا بیٹا ددھیال میں پہنچ گیا۔

ایک سال روتے روتے گزر گیا، میں روز میدان کی طرف نکل جاتی اور شام تک روتی رہتی، مگر نہ میں خاوند کے پاس جا سکی اور نہ بچہ ہی مجھے مل سکا، میرے ایک چچا زاد بھائی نے میرے حال پر ترس کھا کر اپنے لوگوں سے کہا: تمہیں اس بیچاری پر ترس نہیں آتا،

اسے اس کے بچے اور خاوند سے جدا کر رکھا ہے، اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ غرض میرے چچا زاد بھائی نے کہہ سن کر سب کو اس بات پر راضی کر لیا۔ انہوں نے مجھے اجازت دے دی کہ اگر میں اپنے خاوند کے پاس جانا چاہتی ہو تو چلی جاؤ، یہ دیکھ کر بنو عبدالاسد نے مجھے میرا بیٹا بھی دے دیا۔

میں نے ایک اونٹ تیار کیا اور بچے کو گود میں لے کر اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ کو چل دی، تین چار میل چلی تھی کہ تنعیم میں مجھے عثمان بن طلحہ ملے، پوچھا: اکیلی کہاں جا رہی ہو؟ میں نے کہا: اپنے خاوند کے پاس مدینہ جا رہی ہوں۔ انہوں نے کہا: تمہارے ساتھ؟ میں نے کہا: اللہ کی ذات کے سوا کوئی نہیں ہے۔ انہوں نے میرے اونٹ کی نکیل پکڑی اور آگے آگے چل دیئے، اللہ کی قسم! مجھے عثمان سے زیادہ شریف کوئی آدمی نہیں ملا، جب اترنے کا وقت ہوتا تو وہ میرے اونٹ کو چھوڑ کر خود علیحدہ درخت کی آڑ میں ہو جاتے اور میں اتر جاتی اور جب سوار ہونے کا وقت ہوتا تو اونٹ پر سامان وغیرہ لاد کر میرے قریب بٹھا دیتے، میں اس پر سوار ہو جاتی اور آ کر اس کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چلنے لگتے، حتی کہ ہم مدینہ منورہ پہنچ گئے، جب قبا میں پہنچے تو انہوں نے کہا: تمہارے خاوند یہیں ہیں۔ اس وقت سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ قبا میں ہی مقیم تھے، عثمان مجھے وہاں پہنچا کر خود مکہ مکرمہ واپس لوٹ گئے، پھر فرمایا: اللہ کی قسم! عثمان بن طلحہ سے زیادہ شریف آدمی میں نے کبھی نہیں دیکھا اور جتنی مشقت اور تکلیف میں نے اس سال برداشت کی شاید ہی کسی نے کی ہو۔[1]

ان کے خاوند سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بڑے بہادر تھے، جنگ بدر اور جنگ اُحد میں شریک ہوئے، جنگ اُحد میں زخمی ہوئے جس سے جان بر نہ ہو سکے اور جمادی الاخری ۳ھ کو شہادت کی موت نصیب ہوئی، مرتے وقت ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے:

"اَللّٰھُمَّ اخْلُفْنِیْ فِیْ اَھْلِیْ بِخَیْرٍ"[2]

اے اللہ! میرے اہل خانہ کی بھلائی کے ساتھ حفاظت فرما۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی دعا قبول فرمائی، جس کا ظہور بعد میں ہوا، سیدہ

① اسد الغابة: 341/6، رقم الترجمه: 7464. ② مسند احمد: 26669.

ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو بھی مصیبت زدہ مسلمان اس دعا کو پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر چیز عطا فرمائے گا (وہ دعا یہ ہے:)

«إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي، وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا»[1]

''بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف ہمیں لوٹنا ہے، اے اللہ! مجھے اس مصیبت پر اجر دے اور اس کے بدلے میں اس سے اچھی چیز عنایت فرما۔''

جب میرے خاوند ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو میں نے کہا: ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر کون ہوگا جو پہلے مہاجرین میں سے ہیں، لیکن پھر بھی میں نے اس دعا کو پڑھا (جو کچھ اس طرح قبول ہوئی کہ) اللہ تعالیٰ نے میرا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا جو سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر تھے۔[2]

سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنا چاہا تو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی غیرت، کثیر العیال اور سن رسیدہ ہونے کا عذر پیش کیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب چیزوں کو برداشت کر کے نکاح کر لیا۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بڑی عالمہ فاضلہ تھیں اور بہت زیادہ صدقہ خیرات کرنے والی اور بہت عبادت گزار تھیں، ان سے آٹھ سو تین (803) حدیثیں مروی ہیں۔ آپ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے واقعے سے عبرت حاصل کریں کہ جو صبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کا اچھا بدلہ عطا فرماتا ہے۔

[1] صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب مایقال عند المصیبة:918/3. [2] صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب مایقال عند المصیبة:918/3.

سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں، بڑی عابدہ اور زاہدہ تھیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی فرمانبردار تھیں، قرآن مجید میں بھی ان کا ذکر آیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے نکاح کا پیغام لے کر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے، انہوں نے کہا: میں ان سے نکاح نہیں کروں گی، آپ نے فرمایا: ''ایسا نہ کہو اور ان سے نکاح کر لو۔'' سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: آپ کچھ مہلت دیجیے، میں سوچ لوں۔ انہوں نے نکاح تو کرلیا مگر کسی وجہ سے یہ رشتہ زیادہ عرصہ چل نہ سکا اور اس کا انجام طلاق سے ہوا، پھر جب سیدنا زید رضی اللہ عنہ طلاق دے چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام بھیجا، جس پر لوگوں نے طرح طرح کی باتیں کرنا شروع کردیں۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ وحی نازل ہوئی اور یہ آیت اتری جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَٰكَهَا ﴾[1]

''جب زید نے اس عورت (زینب رضی اللہ عنہا) سے غرض پوری کر لی تو ہم نے اس سے آپ کا نکاح کر دیا۔''

آپ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا اور ولیمے کی دعوت میں آپ نے سب کو گوشت روٹی کھلائی۔

صحیح البخاری میں ہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فخراً کہا کرتی تھیں کہ تم سب کے نکاح تمہارے وارثوں نے کیے ہیں جبکہ میرا نکاح خود اللہ نے

① 33/ الاحزاب: 37؛ تفسیر ابن کثیر: 4/ 286، 289، مختصراً۔

ساتویں آسمان پر کرایا۔[1]

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نہایت قانع اور فیاض طبع تھیں، خود اپنے دست بازو سے کماتیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتی تھیں۔

ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا سالانہ نفقہ بھیجا انہوں نے اس پر کپڑا ڈال دیا اور برزہ بنت رافع رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ اسے میرے خاندانی رشتہ داروں اور یتیموں کو تقسیم کر دو، برزہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آخر ہمارا بھی تو کچھ حق بنتا ہے۔ انہوں نے کہا: کپڑے کے نیچے جو کچھ ہے وہ تمہارا ہے، دیکھا تو پچاس درہم نکلے، جب تمام مال تقسیم ہو چکا تو یہ دعا کی: یا اللہ! اس سال کے بعد میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مال سے فائدہ نہ اٹھا سکوں، یہ دعا قبول ہوئی اور اسی سال ان کا انتقال ہو گیا۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا تھا:

((اَسْرَعُكُنَّ اِلْحَاقًا بِیْ اَطْوَلُكُنَّ یَدًا))[3]

''تم میں مجھ سے جلدی وہ ملے گی جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا۔''

یہ سخاوت کی طرف اشارہ تھا، مگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اسے نہ سمجھ سکیں۔ چنانچہ باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنی فیاضی کی بنا پر اس پیشین گوئی کی مصداق ثابت ہوئیں اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سب سے پہلے فوت ہوئیں کفن کا سامان خود ہی کر لیا تھا اور وصیت کی تھی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کفن دیں اسے کسی کو صدقہ کر دینا، چنانچہ یہ وصیت پوری کی گئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور ان کے رشتہ داروں نے انہیں قبر میں اتارا۔ سن 20ھ میں فوت ہوئیں اور 53 برس عمر پائی۔[4]

---

[1] صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب و کان عرشه علی الماء... 7420.

[2] حلیة الأولیاء: 54/2، کرامات الأولیاء للالکائی: 177/9. [3] صحیح البخاری، کتاب الزکاة، باب فضل الصدقة الشحیح الصحیح: 1420؛ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل زینب...: 2452/101.

[4] سیرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم: 2/ 711، 713.

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

ان کا نام رملہ جبکہ کنیت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا تھی، رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے سترہ سال پہلے پیدا ہوئیں۔[1] عبیداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے شادی ہوئی۔[2]

رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو مشرف بہ اسلام ہوئیں اور حبشہ کی طرف ہونے والی دوسری ہجرت میں شریک تھیں، ایک روایت میں ہے کہ ان کی بیٹی حبیبہ جن کی کنیت کے ساتھ وہ مشہور تھیں حبشہ ہی میں پیدا ہوئیں۔ حبشہ میں جا کر عبیداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی اور اب وہ وقت آ گیا کہ ان کو اسلام اور ہجرت کی فضیلت کے ساتھ ام المومنین کا بھی شرف حاصل ہو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے عمر بن امیہ الضمری کو نجاشی کی خدمت میں بغرض نکاح بھیجا، جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے تو نجاشی نے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اپنی لونڈی ابرہہ کے ذریعے سے پیغام دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تمہارے نکاح کے لیے لکھا ہے۔ انہوں نے خالد بن سعید اموی کو وکیل مقرر کیا اور اس مژدے کے صلے میں ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن اور انگوٹھیاں دیں۔

شام ہوئی تو نجاشی نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور وہاں کے مسلمانوں کو جمع کر کے خود نکاح پڑھایا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے چار سو دینار مہر ادا کیا، تمام لوگوں کے سامنے خالد بن سعید کو یہ رقم دی گئی تو لوگوں نے اٹھنا چاہا لیکن نجاشی نے کہا: دعوت ولیمہ تمام پیغمبروں کی سنت ہے، ابھی بیٹھنا چاہیے۔ چنانچہ کھانا آیا لوگ کھانا کھا کر رخصت

[1] الاصابة فی تمییز الصحابة: 305/4، رقم الترجمه: 611191، المستدرك للحاکم: 21/4. [2] الاصابة فی تمییز الصحابة: 305/4، رقم الترجمه: 611191، المستدرك للحاکم: 21/4.

ہوئے۔ جب مہر کی رقم سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو ملی تو انہوں نے پچاس دینار ابرہہ کو دیے، لیکن اس نے رقم کو ان کنگنوں کے ساتھ جو پہلے ملے تھے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ بادشاہ نے مجھے منع کر دیا ہے۔

دوسرے روز خادمات ان کی خدمت میں عود، زعفران اور عنبر وغیرہ لے کر آئیں جنھیں وہ اپنے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں، جب نکاح کی تمام رسومات ادا ہو گئیں تو نجاشی نے ان کو شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کر دیا، ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے سن ۴۴ھ میں وفات پائی اور مدینہ میں دفن ہوئیں۔[1]

[1] سیرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم لشبلی نعمانی: 2/246، 247 وبعضه فی المستدرك للحاکم: 2/679.

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں، مسافع بن صفوان سے شادی ہوئی تھی، جو غزوہ مریسیع میں قتل ہوا تھا۔ اس لڑائی میں کثرت سے لونڈیاں اور غلام مسلمانوں کے ہاتھ آئے، ان لونڈیوں میں سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔

جب مال غنیمت کی تقسیم ہوئی تو وہ ثابت بن قیس بن شماس انصاری کے حصے میں آئیں، اسلام میں یہ حکم ہے کہ اگر مالک راضی ہو تو لونڈی یا غلام کچھ رقم دے کر آزاد ہو سکتے ہیں۔ اس طریقے کو اصطلاحِ شریعت میں ''کتابت'' کہتے ہیں۔ اسی اصول کے مطابق سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا مکاتبہ بن گئیں۔ ان کو شرط کے مطابق ۹ اوقیہ سونا (ایک اوقیہ چالیس دینار جبکہ ایک دینار تقریباً 4.5 گرام کا ہوتا ہے، اس حساب سے تقریباً 135 تولے یعنی ایک کلو چھ سو بیس گرام سونا بنتا ہے) ادا کرنا تھا لیکن رقم ان کی استطاعت سے زیادہ تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں مسلمان عورت ہوں اور میرا نام جویریہ ہے، حارث کی بیٹی ہوں جو اپنی قوم کا سردار ہے، مجھ پر جو مصیبتیں آئی ہیں وہ آپ سے مخفی نہیں ہیں، میں ثابت بن قیس کے حصے میں آئی تھی اور نو اوقیہ سونے پر ان سے عہدِ کتابت کیا ہے، یہ رقم میرے امکان میں نہ تھی لیکن میں نے اللہ کے بھروسے اسے منظور کر لیا اور اب آپ سے اس کی ادائیگی میں مدد کا سوال کرنے کے لیے آئی ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تمہیں اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں؟'' انہوں نے عرض کی: وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''میں یہ رقم ادا کر دیتا ہوں اور تم سے نکاح کر لیتا ہوں۔'' وہ اس بات پر رضا مند ہو گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس کو بلایا، وہ بھی رضا مند ہو گئے۔ آپ نے رقم ادا

کردی اور ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ یہ چرچہ پھیلا اور لوگوں نے قبیلہ بنی مصطلق کی تمام لونڈیوں اور غلاموں کو اس بنا پر آزاد کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں سے رشتہ مصاہرت قائم کر لیا ہے، آزاد شدہ غلاموں کی تعداد ایک روایت میں سات سو بتلائی گئی ہے۔[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی برکت سے سینکڑوں گھرانے آزاد کر دیے گئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود ان سے یہ خواہش ظاہر کی تھی اور اپنے تمام قیدیوں کو ان پر ہبہ کر دیا تھا۔[2]

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نے سن ۵۰ھ میں وفات پائی اور بقیع قبرستان میں دفن ہوئیں۔ وفات کے وقت ان کی عمر ساٹھ برس تھی۔

① سنن أبی داود، کتاب العتق، باب فی بیع المکاتب اذا فسخت المکاتبة: 3931. ② مسند احمد: 26365.

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا

یہ بیوہ تھیں، لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر اس وقت کیا، جب آپ عمرے کے لیے تشریف لے جا رہے تھے اور مقام سرف میں قیام فرما تھے۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بھی وہیں موجود تھیں۔ اسی مقام پر نکاح اور رسم عروسی ادا ہوئی اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا، یہ آپ کا آخری نکاح تھا اور میمونہ رضی اللہ عنہا سب سے آخری بیوی ہیں۔ [1]

یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ اسی مقام پر نکاح ہوا اور ایک طویل عرصے کے بعد مقام سرف ہی میں سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ [2]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں، جنازے کو زیادہ حرکت مت دو، لہٰذا باادب طریقے سے آہستہ چلو۔ [3]

یہ اللہ تعالیٰ سے بڑی ڈرنے والی، اللہ کو بہت زیادہ یاد کرنے والی اور عبادت گزار تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے بارے میں فرمایا:

"اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ اَتْقَانَا لِلّٰهِ وَاَوْصَلْنَا لِلرَّحْمِهِ" [4]

میمونہ اللہ سے بہت زیادہ ڈرتی اور بہت صلہ رحمی کیا کرتی تھیں۔

احکام نبوی کی تعمیل ہر وقت پیش نظر رکھتی تھیں، اللہ کے راستے میں غلام آزاد کرنے اور خیرات دینے کو بہت پسند فرمایا کرتی تھیں۔

① جامع البیان للطبری: 577/3. ② صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب عمرة القضاء: 4258. ③ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب کثرة النساء: 5067. ④ الإصابة فی تمییز الصحابة: 324/8، رقم الترجمه: 11783.

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا
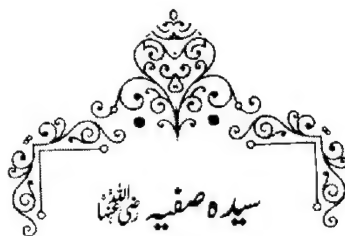
ان کا اصلی نام زینب تھا، بعد میں صفیہ کے نام سے مشہور ہوگئیں، باپ کا نام حیی بن اخطب جبکہ والدہ کا نام ضرہ تھا۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو باپ اور ماں دونوں کی جانب سے سعادت حاصل تھی۔ باپ بنونضیر کا سردار جبکہ ماں قریظہ کے رئیس کی بیٹی تھی۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی شادی پہلے سلام بن مشکم قرظی سے ہوئی تھی۔ ابن مشکم نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں، کنانہ جنگ خیبر میں مقتول ہوا، سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے باپ اور بھائی بھی جنگ میں کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں۔ جب خیبر کے تمام قیدی جمع کیے گئے تو دحیہ کلبی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لونڈی کی درخواست کی، آپ نے انتخاب کی اجازت دے دی۔

انہوں نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو منتخب کیا، لیکن ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں آ کر عرض کیا: آپ نے رئیسہ بنونضیر و قریظہ کو دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو دے دیا ہے حالانکہ وہ تو صرف آپ کے قابل ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ دحیہ رضی اللہ عنہ اس عورت کے ساتھ حاضر ہوں، وہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو لے کر آئے تو آپ نے ان کو دوسری لونڈی عنایت فرمائی اور صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام صہبا میں رسم عروسی ادا کی اور جو سامان لوگوں کے پاس تھا اس کو جمع کر کے دعوت ولیمہ فرمائی، وہاں سے روانہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خود اپنے اونٹ پر سوار کر لیا اور عبا سے ان پر پردہ کیا۔ یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ وہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں داخل ہوگئیں ہیں۔ [1]

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبت تھی، آپ ہر موقع پر ان کی دل

[1] صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب مایذکر فی الفخذ: 371۔

جوئی فرمایا کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ سفر میں تھے، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی آپ کے ساتھ تھیں، سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ اتفاق سے بیمار ہو گیا، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس چونکہ ضرورت سے زیادہ اونٹ تھے، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ ایک اونٹ انہیں کو دے دو۔

انہوں نے کہا: میں اس یہود کو اپنا اونٹ دوں! اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اتنے ناراض ہوئے کہ دو ماہ تک ان کے پاس نہ آئے۔[1]

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے، دیکھا کہ رو رہی ہیں، آپ نے رونے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے عرض کی: سیدہ عائشہ اور صفیہ رضی اللہ عنہما کہتی ہیں کہ وہ تمام ازواج میں افضل ہیں، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کی چچا زاد بھی ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ہارون علیہ السلام میرے باپ اور موسیٰ علیہ السلام میرے چچا جبکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے شوہر ہیں، لہٰذا تم کیسے مجھ سے افضل ہو سکتی ہو؟''[2]

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بہت حلیم اور عاقلہ فاضلہ تھیں اور بڑی فیاض و خرچیلی تھیں، بہترین کھانا پکایا کرتی تھیں۔[3]

[1] الاصابة فی تمییز الصحابة: 210/8، رقم الترجمة: 11407. [2] سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب فی فضل ازواج النبی ﷺ: 3892. [3] الاصابة فی تمییز الصحابة: 210/8، رقم الترجمه: 11407.

نبی کریم ﷺ کی بیٹیوں کا ذکرِ خیر

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

رسول اللہ ﷺ کی سب سے پہلی اولاد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ہیں، نبوت ملنے سے دس برس پہلے، جب آپ ﷺ کی عمر مبارک تیس سال تھی، پیدا ہوئیں، آپ نے جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو آپ کے اہل و عیال مکہ ہی میں رہ گئے تھے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابو العاص بن ربیع سے ہوئی۔ غزوہ بدر میں ابوالعاص گرفتار ہو گئے، پھر اس شرط پر رہا کیے گئے کہ وہ مکہ مکرمہ جا کر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو بھیج دیں گے۔[1] ابوالعاص نے مکہ جا کر اپنے بھائی کنانہ کے ساتھ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ کی طرف روانہ کیا مگر چونکہ کفار کے تعرض کا خوف تھا، کنانہ نے ہتھیار ساتھ لے لیے۔ ذی طویٰ مقام پر پہنچے تو کفار قریش کے چند آدمیوں نے تعاقب کیا، ہبار بن اسود نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو نیزے سے زمین پر گرا دیا۔ وہ حاملہ تھیں اور گرنے سے حمل ضائع ہو گیا، کنانہ نے ترکش سے تیرے نکالے اور کہا: اب اگر کوئی قریب آیا تو ان تیروں کا نشانہ بنے گا، لوگ ہٹ گئے تو ابو سفیان سردارانِ قریش کے ساتھ آیا اور کہا: ''تیر روک لو، ہمیں کچھ گفتگو کرنی ہے۔ انہوں نے تیر ترکش میں ڈال لیے۔

ابوسفیان نے کہا: محمد ﷺ کے ہاتھ سے ہمیں جو تکلیفیں پہنچی ہیں وہ سب تمہیں معلوم ہیں، اب اگر تم علانیہ ان کی بیٹی کو ہمارے قبضے سے نکال کر لے گئے تو لوگ ہماری کمزوری سمجھیں گے، ہمیں زینب کو روکنے کی ضرورت نہیں، لہٰذا جب شور و ہنگامہ کچھ کم ہو

[1] الطبقات لابن سعد: 20/8.

جائے تو اسے چوری چھپے لے جانا۔ کنانہ نے یہ رائے تسلیم کر لی اور چند دنوں بعد رات کے وقت انہیں لے کر روانہ ہوئے، ادھر سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیج دیا تھا، وہ بطن یاجج مقام میں تھے، کنانہ نے انہیں دیکھا تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے حوالے کیا اور وہ انہیں لے کر روانہ ہو گئے۔[1]

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جب مدینہ پہنچیں اس وقت ان کے شوہر ابو العاص حالت کفر میں تھے، ابوالعاص دوبارہ ایک سریے میں گرفتار ہوئے، اس وقت بھی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے انہیں پناہ دی، مکہ جا کر انہوں نے لوگوں کی امانتیں ان کے حوالے کیں اور اسلام قبول کر لیا اسلام لانے کے بعد مدینہ گئے، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو حالت شرک میں چھوڑا تھا، اس لیے دونوں میں باہم تفریق ہوگئی، پھر جب وہ مدینہ آئے تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا دوبارہ ان کے نکاح میں آئیں۔[2]

سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نہایت شریفانہ برتاؤ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شریفانہ برتاؤ کی تعریف کی۔ دوبارہ ابوالعاص کی زوجیت میں آنے کے بعد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بہت کم عرصہ زندہ رہیں، سن ۶ یا ۷ ہجری میں سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ اسلام لائے جبکہ سن ۸ ہجری میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ سیدہ ام ایمن، سودہ بنت زمعہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہن نے غسل دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی، سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر میں اتارا۔[3]

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے دو بچے چھوڑے، امامہ اور علی۔ علی کی بابت ایک روایت ہے کہ بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے، لیکن عام روایت یہ ہے کہ بلوغت کو پہنچے۔ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ یرموک کے معرکے میں شہادت پائی۔[4] امامہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

[1] المستدرك للحاكم: 45/4. [2] الإصابة في تمييز الصحابة: 207/7، رقم الترجمه: 10182؛ معرفة الصحابة لابن منده: 927/1. [3] الإصابة في تمييز الصحابة: 152/8؛ سيرة النبي ﷺ: 250/2. [4] الإصابة في تميز الصحابة: 469/4، رقم الترجمه: 5706، 24//8.

کو بڑی محبت تھی، آپ انہیں اوقات نماز میں بھی جدا نہیں کرتے تھے۔ آپ انہیں کندھے پر اٹھا کر نماز پڑھتے، جب رکوع میں جاتے تو اپنے کندھے مبارک سے اتار دیتے اور جب سجدے سے سر اٹھاتے تو پھر سوار کر لیتے۔[1]

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کسی نے کچھ چیزیں ہدیہ بھیجیں، جن میں ایک زریں ہار بھی تھا، امامہ ایک گوشے میں کھیل رہی تھیں، آپ نے فرمایا: ''میں اس ہار کو اپنی محبوب ترین اہل کو دوں گا۔'' ازواج مطہرات نے سمجھا کہ یہ شرف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوگا، لیکن آپ نے سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر وہ ہار خود ان کے گلے میں ڈال دیا، سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی وصیت کی تھی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو انہوں نے سیدہ علی رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح کر دیا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی تو مغیرہ کو وصیت کر گئے کہ امامہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیں، مغیرہ نے نکاح کیا اور ان سے ایک بچہ بھی پیدا ہوا جس کا نام یحییٰ تھا، بعض روایتوں میں ہے کہ سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا نے مغیرہ کے ہاں وفات پائی۔[2]

---

(1) صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب اذا حمل جاریۃ صغیرۃ علی عنقہ فی الصلاۃ: 516. (2) سیرۃ النبی ﷺ: 2/249، 250.

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی ولادت کے متعلق مشہور روایت یہ ہے کہ آپ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بعد (جب آپ کی عمر مبارک ۳۳ سال تھی) قبل از نبوت پیدا ہوئیں، پہلے ابولہب کے بیٹے عتبہ سے شادی ہوئی۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ یہ شادی قبل از نبوت ہوئی تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی بھی ابولہب کے دوسرے لڑکے عتیبہ سے ہوئی تھی، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور آپ نے دعوت اسلام کا اظہار کیا تو ابولہب نے اپنے بیٹوں کو جمع کر کے کہا: اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں سے علیحدگی اختیار نہیں کرتے تو تمہارے ساتھ میرا سونا بیٹھنا حرام ہے، لہٰذا دونوں بیٹوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دی، نکاح کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ گئیں، مدت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا حال معلوم نہ ہو سکا، ایک عورت نے آ کر خبر دی کہ میں نے ان دونوں کو دیکھا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی اور فرمایا: ''ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بیوی کے ساتھ ہجرت کی ہے۔'' حبشہ میں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ایک بچہ پیدا ہوا، وہاں سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ [1]

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا مدینہ پہنچیں تو بیمار ہو گئیں، ادھر غزوۂ بدر کا زمانہ تھا، لہٰذا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان کی تیمار داری کی وجہ سے غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ عین اسی دن جس دن سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ آ کر فتح کا مژدہ سنایا، رقیہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی، غزوۂ بدر کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جنازے میں شریک نہ ہو سکے۔ [2]

① اسد الغابة في معرفة الصحابة: 427/5. ② سيرة النبي صلی اللہ علیہ وسلم: 251/2.

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا

کنیت ہی کے نام سے مشہور ہیں، ۳ھ میں جب سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی تو ربیع الاوّل میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کر لیا۔ صحیح البخاری میں ہے کہ جب سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوئیں تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے تامل کیا۔[1]

دوسری روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''تمہیں عثمان سے بہتر شخص کا پتہ دیتا ہوں اور عثمان کے لیے تم سے بہتر شخص ڈھونڈتا ہوں، تم اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کردو اور میں اپنی لڑکی کو عثمان سے منسوب کر دیتا ہوں۔''[2]

نکاح کے بعد سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا چھ برس تک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہیں، شعبان ۹ھ میں وفات پائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی اور سیدنا علی، فضل بن عباس اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے قبر میں اتارا۔[3]

① صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب: 4005۔
② مصنف ابن أبی شیبۃ: 6/ 365، رقم: 32062۔
③ الطبقات لابن سعد: 5/26؛ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم: 2/251، 252۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے یہ محبوب ترین تھیں، آپ نے فرمایا: ''فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔''①

دوسری روایت میں فرمایا: ''دنیا کی تمام عورتوں میں سے مریم، آسیہ، خدیجہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہم اقتدا و پیروی کے لیے کافی ہیں۔''② سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہیز میں ایک پلنگ، ایک بستر، ایک چادر، ایک مشک اور دو چکیاں عنایت فرمائی تھیں اور عمر بھر یہی چیزیں کام آتی رہیں۔③

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے تعلقات میں خوشگواری پیدا کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ چنانچہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میں کبھی کبھی خانگی معاملات کے متعلق رنجش پیدا ہو جاتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں میں صلح کرا دیتے۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے اور صلح صفائی کرا دی، گھر سے مسرور نکلے، لوگوں نے پوچھا: آپ گھر میں گئے تھے تو آپ کی حالت اور تھی، اب آپ اس قدر خوش کیوں ہیں؟ فرمایا: ''میں نے دو ایسی شخصیتوں میں مصالح کرادی جو مجھے محبوب ترین ہیں۔''

ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان پر کچھ سختی کی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر پہنچیں، پیچھے پیچھے سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی آئے، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے شکایت کی، آپ نے فرمایا: ''بیٹی تمہیں خود سمجھنا چاہیے کہ کون شوہر اپنی بیوی کے پاس خاموش چلا آتا ہے۔''

① مسند أحمد: 16123. ② سنن الترمذي، أبواب المناقب، باب فضل خديجة رضي الله عنها: 3878. ③ سيرة النبي صلی اللہ علیہ وسلم: 252/2؛ الإصابة في تمييز الصحابة: 267/2.

سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر اس کا اثر ہوا کہ انہوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اب میں تمہارے مزاج کے خلاف کوئی بات نہیں کروں گا۔[1]

ایک دفعہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو سخت برہم ہوئے، آپ نے مسجد میں خطبہ دیا، اس میں اپنی ناراضی ظاہر کی، فرمایا: ''میری بیٹی میرا جگر گوشہ ہے، جس سے اس کو دکھ پہنچے گا اس سے مجھے بھی اذیت ہوگی۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک شخص کے پاس جمع نہیں ہوسکتیں۔'' چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس ارادے کو ترک کر دیا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی تک پھر نکاح نہیں کیا۔[2] سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر کا کام خود کیا کرتیں، چکی پیستے پیستے ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے، مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینے پہ نشان پڑ گئے، گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے سفید ہو جاتے تھے، چولہے کے پاس بیٹھے بیٹھے کپڑے سیاہ ہو جاتے تھے، لیکن جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار گھر کے کام کاج کے لیے ایک لونڈی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو ارشاد ہوا: ''اے لختِ جگر! بدر کے یتیم تم سے پہلے اس کے حقدار ہیں۔''[3]

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے، دیکھا کہ انہوں نے ناداری سے اس قدر چھوٹا دوپٹہ اوڑھا ہے کہ سر ڈھانکتی ہیں تو پاؤں کھل جاتے ہیں اور پاؤں چھپاتی ہیں تو سر برہنہ رہ جاتا ہے۔

یوں کی ہے بسر اہلِ بیتِ مطہر نے زندگی
یہ ماجرائے دخترِ خیر الانام تھا

صرف یہی نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کو آرائش یا زیب و زینت کی کوئی چیز نہیں دیتے تھے، بلکہ اگر اس قسم کی چیزیں ان کو دوسرے ذرائع سے بھی ملتیں تو اسے بھی ناپسند

[1] سيرة النبي صلى الله عليه وسلم: 253/2؛ الإصابة في تمييز الصحابة: 268/8. [2] صحيح البخاري، كتاب فضائل اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب ذكر اصهار النبي صلى الله عليه وسلم: 3729؛ سيرة النبي صلى الله عليه وسلم: 253/2. [3] سنن ابي داود، كتاب الأدب، باب في التسبيح عند النوم: 5066.

فرماتے، چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انہیں سونے کا ایک ہار دیا، آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا: ''کیوں فاطمہ! کیا لوگوں سے کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے۔'' سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اسے فروخت کر کے اس کی قیمت سے ایک غلام خرید لیا۔

ایک دفعہ آپ کسی غزوے سے تشریف لائے، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بطور خیر مقدم کے گھر کے دروازوں پر پردے لگا دیئے اور سیدنا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو چاندی کے کنگن پہنائے، آپ حسب معمول سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئے تو اس دنیوی ساز و سامان کو دیکھ کر واپس چلے گئے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آپ کی ناپسندیدگی کا حال معلوم ہوا تو پردہ چاک کر دیا اور بچوں کے ہاتھ سے کنگن نکال ڈالے، بچے روتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا: ''یہ میرے اہل بیت ہیں، میں یہ نہیں چاہتا کہ یہ ان کے ساتھ زخارف سے آلودہ ہوں، اس کے بدلے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے ایک عصب کا ہار (سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے لیے) اور ہاتھی دانت کے کنگن خرید کر لا دو۔''[1]

صدق و سچائی میں بھی ان کا کوئی حریف نہ تھا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''مَارَأَيْتُ اَحَدًاكَانَ اَصْدَقُ لَهْجَةً مِنْ فَاطِمَةَ اِلَّاأَنْ يَكُوْنَ الَّذِيْ وَلَدَهَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ'' [2]

میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو صاف گو نہیں دیکھا، البتہ ان کے والد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حد درجہ حیادار تھیں، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلب فرمایا تو وہ شرم سے لڑکھڑاتی ہوئی آئیں۔ اسی بنا پر اپنے جنازے پر پردہ کرنے کی بھی وصیت کی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت کرتی تھیں، ایک مرتبہ جب وہ بچپن کی عمر میں تھیں اور آپ مکہ معظمہ میں مقیم تھے، تو عقبہ بن ابی معیط نے نماز کی حالت میں آپ کی گردن پر اونٹ کی اوجھڑی لا ڈالی، قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے جا رہے

[1] سنن أبی داود، کتاب الترجل، باب ماجاء فی الانتفاع بالعاج:4213.
[2] الاستیعاب فی معرفة الاصحاب:1896/4.

تھے، کسی نے جا کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خبر دی، وہ اگرچہ اس وقت چار پانچ برس کی تھیں، لیکن جوش محبت سے دوڑی آئیں اور اوجھڑی ہٹا کر عقبہ کو برا بھلا کہا اور بددعائیں دیں۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے انتہائی زیادہ محبت کرتے تھے، آپ کا معمول تھا کہ جب کبھی سفر پر جاتے تو سب سے آخر میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو جو شخص سب سے پہلے خدمت اقدس میں باریاب ہوتا وہ بھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہوتیں، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی آپ کی خدمت اقدس میں تشریف لاتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے، ان کی پیشانی چومتے اور اپنی نشست سے ہٹ کر انہیں اپنی جگہ پر بٹھاتے۔

داغ بے پدری

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر مشہور روایت کے مطابق ۲۹ سال تھی کہ جناب رسالت مآب نے رحلت فرمائی، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین اولاد تھیں اور اب صرف یہی باقی رہ گئی تھیں۔ اس لیے ان کو صدمہ بھی اوروں سے زیادہ ہوا، وفات سے ایک دن پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا بھیجا، وہ تشریف لائیں آپ نے تو ان سے کان میں کچھ باتیں کیں، وہ رونے لگیں، پھر بلا کر کان میں کچھ کہا: تو ہنس پڑیں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا تو کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو ابھی ظاہر نہیں کرنا چاہتی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور کچھ عرصہ بیت گیا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پھر دریافت کیا: تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: اب بتا سکتی ہوں، پہلی دفعہ آپ نے فرمایا: ''میں اسی بیماری میں انتقال کروں گا۔'' جب رونے لگی تو فرمایا: ''میرے خاندان میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے آکر ملوگی۔'' تو میں ہنسنے لگی۔ [2]

وفات سے پہلے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بار بار غشی طاری ہوئی تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا دیکھ کر بولیں: ''وَاكَرْبَ اَبَاهُ'' ہائے میرے باپ کی بے چینی! آپ نے فرمایا:

[1] صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب المرأۃ تطرح عن المصلی: 520.

[2] صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام: 3623، 3624.

"تمہارا باپ آج کے بعد کبھی بے چین نہ ہوگا۔" رسول اللہ ﷺ کا جب انتقال ہوا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ایک مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ جب تک زندہ رہیں کبھی تبسم نہیں فرمایا۔[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب آپ کی نعش مبارک کو دفن کر کے واپس آئے تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم نے رسول اللہ ﷺ کی قبر پر مٹی ڈالنا کیسے گوارا کرلیا؟[2]

وفات سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد چھ ماہ ہی گزرے تھے کہ رمضان گیارہ ہجری میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی اور آپ کی پیشین گوئی کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے ملوگی، پوری ہوئی، یہ منگل کا دن جبکہ رمضان کی تین تاریخ تھی۔[3]

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تجہیز وتکفین میں خاص جدت کی گئی، عورتوں کے جنازے پر جو آج کل پردہ لگانے کا دستور ہے اس کی ابتدا ان ہی سے ہوئی۔ اس سے پہلے عورت و مرد سب کا جنازہ کھلا ہی جاتا ہے، چونکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مزاج میں انتہا درجے کی حیا تھی، اس لیے انہیں سیدہ اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے کہا: اے جگر گوشہ رسول! میں نے حبشہ میں ایک طریقہ دیکھا ہے، آپ کہیں تو اسے پیش کروں، یہ کہہ کر کھجور کی چند شاخیں منگوائیں اور اس پر کپڑا تانا، جس سے پردے کی صورت ہوگئی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بے حد مسرور ہوئیں اور فرمایا: یہ بہترین طریقہ ہے۔[4]

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بعد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا جنازہ بھی اسی طریقہ سے اٹھایا گیا، سیدنا علی ﷺ نے انہیں غسل دیا اور خود ہی نماز جنازے پڑھائی، قبر کے بارے میں سخت اختلاف ہے کہ کہاں مدفون ہیں، بعض کے مطابق دار عقیل میں دفن ہوئیں۔[5] آپ ان کی زندگی سے عبرت حاصل کریں اور ان کے طریقے پر چلنے کی کوشش کریں۔

---

[1] اسدالغابة: 7/216۔ [2] صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته: 4462. [3] اسدالغابة: 7/216. [4] اسدالغابة: 7/216. [5] الإصابة في تمييز الصحابة: 262/8، رقم الترجمه: 11587.

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی ہونے کے ساتھ ساتھ خالہ زاد بہن بھی تھیں۔ سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں، ابو سفیان بن حرب کے بھائی حارث سے ان کی شادی ہوئی۔ جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا تھا، اس کے انتقال کے بعد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عوام بن خویلد سے نکاح ہوا، جس سے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، چالیس برس کی عمر ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کی تمام پھوپھیوں میں یہ شرف صرف سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ اسد الغابہ میں ہے:

"وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَمْ يُسْلِمْ غَيْرُهَا" [1]

صحیح بات یہی ہے کہ ان کے سوا (رسول اللہ ﷺ کی) کوئی پھوپھی ایمان نہیں لائیں۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ میں آئیں، غزوۂ احد میں جب مسلمانوں کو کافی نقصان پہنچا تو مدینہ سے نکلیں، صحابہ رضی اللہ عنہم سے عتاب آمیز لہجے میں کہا: تم نے رسول اللہ ﷺ کو اکیلے کیوں چھوڑ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں آتے دیکھا تو سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ارشاد فرمایا: "حمزہ کی لاش نہ دیکھنے پائیں۔" سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا پیغام سنایا، بولیں: میں اپنے بھائی کا ماجرا

[1] اسد الغابة: 7/171.

سن چکی ہوں لیکن اللہ کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اجازت دی، لاش پر گئیں، خون کا جوش تھا اور عزیز بھائی کے ٹکڑے پڑے تھے لیکن اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ کہہ کر چپ ہوگئیں اور مغفرت کی دعا مانگی، چونکہ واقعہ نہایت درد انگیز تھا اس لیے ایک مرثیہ کہا، جس کے ایک شعر میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتی ہیں:

اِنَّ يَوْمًا أَتَى عَلَيْكَ لَيَوْمٌ

كُوِّرَتْ شَمْسُهُ وَ كَانَ مُضِيئًا [1]

"آج آپ پر وہ دن آیا ہے کہ جس میں آفتاب سیاہ ہوگیا ہے، حالانکہ وہ روشن تھا۔"

غزوہ احد کی طرح غزوۂ خندق میں بھی انہوں نے نہایت ہمت اور استقلال کا ثبوت دیا۔ انصار کے قلعوں میں فارع سب سے مستحکم قلعہ تھا جو سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کا تھا اور بنوقریظہ کی آبادی سے متصل تھا، مستورات اسی میں تھیں اور ان کی حفاظت پر سیدنا حسان رضی اللہ عنہ معمور کیے گئے، یہودیوں نے یہ دیکھ کر کہ تمام جماعت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے، قلعے پر حملہ کر دیا، ایک یہودی قلعے کے پھاٹک پہ پہنچ گیا وہ قلعے پر حملہ کرنے کا موقع ڈھونڈ رہا تھا کہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے دیکھ لیا، سیدنا حسان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اتر کر قتل کر دو ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو بتا دے گا۔ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کو ایک عارضہ ہوگیا تھا، جس نے سیدنا حسان رضی اللہ عنہ میں اس قدر جبن پیدا کر دیا تھا کہ وہ لڑائی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے، اس بنا پر اپنی معذوری ظاہر کی اور کہا: اگر میں کسی کام کا ہوتا تو یہاں کیوں ہوتا۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے خیمے کی ایک چوٹ اکھاڑ لی اور اتر کر زور سے یہودی کے سر پر دے ماری جس سے اس کا سر پھٹ گیا، سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا چلی آئیں حسان رضی اللہ عنہ سے کہا: ہتھیار اور کپڑے چھین لاؤ، سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے کہا: جانے دو مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اچھا جاؤ اس کا سر کاٹ کر قلعے

[1] الإصابه فی تمییز الصحابة: 215/8، رقم الترجمه: 11411.

کے نیچے پھینک دو تا کہ یہودی مرعوب ہو جائیں لیکن یہ خدمت بھی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا ہی کو انجام دینی پڑی۔ جس سے یہودیوں کو یقین ہو گیا کہ قلعے میں بھی کچھ فوج متعین ہے، اس خیال سے انہوں نے پھر حملے کی جسارت نہ کی۔ [1]

گیارہ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو جو صدمہ ہوا، انہوں نے نہایت پر درد مرثیہ لکھا، جس کا مطلع یہ ہے:

لَقَدْ رَسُوْلُ اللّٰه اِذْ حَانَ يَوْمُهُ
فَيَاعَيْنُ جُوْدِیْ بِالدُّمُوْعِ السَّوَاجِمُ [2]

"بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی موت) کا دن آن پہنچا ہے تو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی) وفات پر اے آنکھ خوب آنسو بہا۔"

آپ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی سیرت سے شجاعت اور اطاعت کا سبق سیکھیں۔

[1] الاصابة فی تمييز الصحابة: 214/8، رقم الترجمه: 11411. [2] الاصابة فی تمييز الصحابة: 215/8.

سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا

ان کا نام برکہ جبکہ کنیت ام ایمن تھی، حبشہ کی رہنے والی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے والد عبداللہ کی لونڈی تھیں، بچپن ہی سے عبداللہ کے ساتھ رہیں اور جب انہوں نے وفات پائی تو آمنہ کے پاس رہنے لگیں، ان کے بعد رسول اللہ ﷺ کے حلقۂ غلامی میں زندگی بسر کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے ہی رسول اللہ ﷺ کی پرورش کی تھی۔ [1]

پہلے ان کا نکاح عبید بن زید سے ہوا تھا۔ [2] ان کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، جو کہ نبی کریم ﷺ کے محبوب خاص تھے، سے نکاح پڑھایا۔ [3]

چونکہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ مسلمان ہو چکے تھے۔ اس لیے سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے بھی اسلام قبول کرلیا، جب حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی تو وہ بھی ہجرت کر کے ساتھ گئیں اور وہاں سے مدینہ واپس آئیں۔ غزوۂ احد میں شرکت کی، اس موقعے پر وہ لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی تیمارداری کرتیں، غزوہ خیبر میں بھی شریک ہوئیں۔ سن ۱۱ھ میں رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی تو سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا سخت مغموم تھیں اور رو رہی تھیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق عمر رضی اللہ عنہما نے سمجھایا کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے اللہ کے پاس بہتر چیز موجود ہے۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: یہ مجھے بھی اچھی طرح معلوم ہے پھر یہ دونوں حضرات بھی زاروقطار رونے لگے۔ [4] رسول اللہ ﷺ ان کی بڑی عزت کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: ''ام ایمن میری ماں ہیں۔'' [5] اور آپ ان کے مکان پر اکثر تشریف لے جایا کرتے تھے۔

---

① الإصابة فی تمییز الصحابة: 360/8، رقم الترجمه: 11902. ② صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب ذکر اسامة: 3737. ③ صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب رد المهاجرین الی الأنصار: 1771/70. ④ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أم ایمن رضی اللّٰه عنها: 2454/103. ⑤ الإصابة فی تمییز الصحابة: 360/8.

سیدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا

یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ ہیں، جب ابو طالب کا انتقال ہو گیا تو ان کے بعد سیدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دست و بازو رہیں اور آپ کی بڑی خدمتیں کیں، جب مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت ملی تو آپ رضی اللہ عنہا نے بھی مدینہ کی طرف ہجرت کی، جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے ہوا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ (سیدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا) سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی آئی ہیں، میں پانی بھروں گا اور باہر کے کام کروں گا جبکہ وہ چکی پیسنے اور آٹا گوندھنے میں آپ کی مدد کریں گی۔[1]

الإصابہ میں ہے کہ یہ نہایت نیک خاتون تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی زیارت کو تشریف لے جاتے اور ان کے گھر آرام فرمایا کرتے تھے۔[2]

جب ان کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص اتار کر انہیں کفن کے طور پر پہنائی اور آپ قبر میں اتر کر لیٹ گئے، لوگوں نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا: ''ابو طالب کے بعد ان سے زیادہ میرے ساتھ کسی نے حسن سلوک نہیں کیا تھا۔'' اس بنا پر میں نے انہیں اپنی قمیص پہنائی ہے کہ جنت میں ان کو جنتی چغہ ملے اور قبر میں اس لیے لیٹا کہ شاید عذاب قبر میں کمی واقع ہو۔[3]

① اسد الغابة: 212/7. ② الإصابة في تمييز الصحابة: 269/8. ③ اسد الغابة: 212/7.

سیدہ ام فضل رضی اللہ عنہا

یہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی ہیں، ابن سعد کا خیال ہے کہ انہوں نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔ [1]

سیدہ ام فضل رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا، چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر جب لوگوں کو عرفہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزہ دار ہونے کے بارے میں شبہ ہوا اور سیدہ ام فضل رضی اللہ عنہا کے پاس اس کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ کا پیالہ پیش کیا۔ آپ چونکہ روزے سے نہ تھے، لہٰذا آپ نے دودھ پی لیا تو لوگوں کو تسلی ہو گئی۔ [2]

یہ نیک بخت خاتون سیدہ ام فضل رضی اللہ عنہا بڑی عابدہ اور زاہدہ تھیں، ہر سوموار اور جمعرات کو روزہ رکھا کرتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت کرتی تھیں، آپ اکثر ان کے ہاں تشریف لے جایا کرتے اور دوپہر کے وقت آرام فرمایا کرتے تھے۔ [3]

[1] الطبقات الکبری لابن سعد: 217/8، رقم الترجمه: 4225. [2] صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب صوم یوم عرفة: 1988. [3] سیر صحابیات مع اسوۂ صحابیات: 112، 113؛ خلاصة التهذیب: 495/1.

یہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی والدہ جبکہ سیدنا یاسر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ ہیں۔ جب مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی تو سیدہ سمیہ، یاسر اور عمار رضی اللہ عنہم نے اس دعوت پر لبیک کہا۔ تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں میں سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کا نمبر ساتواں تھا۔ کچھ دن اطمینان کے گزرے تھے کہ قریش کا ظلم وستم شروع ہو گیا اور آہستہ آہستہ بڑھتا گیا۔ چنانچہ جو شخص جس مسلمان پر قابو پاتا وہ اسے طرح طرح سے دردناک تکلیفیں دیتا، سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کو بھی خاندان مغیرہ نے شرک پر مجبور کیا، لیکن وہ اپنے عقیدے پر نہایت پختگی سے قائم رہیں، جس کا صلہ یہ ملا کہ انہیں مکہ کی جلتی تپتی ریت پر لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کرتے تھے، لیکن ان کے عزم واستقلال کی چھینٹوں کے سامنے یہ آتش کدہ سرد پڑھ جاتا تھا۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرتے تو یہ حالت دیکھ کر فرماتے: ''آل یاسر صبر کرو! اس کے عوض تمہارے لیے جنت ہے۔'' دن بھر کی اس مصیبت سے رو کر شام کو نجات ملتی تھی، ابوجہل نے انہیں گالیاں دینا شروع کیں اور پھر اس کا غصہ اس قدر تیز ہوا کہ اٹھ کر ایسی برچھی ماری کہ سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا جان بحق تسلیم ہو گئیں، امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اَوَّلُ شَهِيْدٍ اُسْتُشْهِدَ فِي الْاِسْلَامِ اُمُّ عَمَّارٍ طَعَنَهَا اَبُوْجَهْلٍ بِحَرْبَةٍ فِيْ قُبُلِهَا''[2]

[1] سیر صحابیات مع اسوۂ صحابیات: 115. [2] مصنف ابن ابی شیبہ: 250/7، 35770،

سیدہ ام عمار (سمیہ) رضی اللہ عنہا اسلام میں سب سے پہلے شہید ہوئیں،
ابوجہل نے ان کو اندام نہانی میں نیزہ مار کر شہید کیا۔

بتا کر دند خوش رہے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقاں پاک طینت را

سیدنا عمار رضی اللہ عنہما کو اپنی والدہ کی اس بے کسی پر سخت افسوس تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر عرض کیا کہ اب حد ہوگئی۔ آپ نے صبر کی تلقین فرمائی اور دعا دی: ''الٰہی! آل یاسر کو دوزخ سے بچا۔''①

غزوۂ بدر میں جب ابوجہل مارا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمار رضی اللہ عنہما سے فرمایا: ''دیکھو تمہاری والدہ کے قاتل کا اللہ نے فیصلہ کر دیا۔''②

① الاستيعاب: 1884/4، رقم الترجمة: 3387. ② الطبقات الكبرى لابن سعد: 207/8، رقم الترجمة: 4209.

سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا

یہ ایک رشتے سے رسول اللہ ﷺ کی خالہ بھی مشہور ہیں، ان کا پہلا نکاح مالک بن نضر سے ہوا تھا۔ یہ مدینہ میں اوائلِ اسلام میں مسلمان ہوئیں، مالک چونکہ آبائی مذہب پر قائم رہنا چاہتے تھے اور سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا تبدیلیٔ مذہب پر اصرار کرتی تھیں، اس لیے دونوں میں کشیدگی پیدا ہوئی اور مالک بن نضر ناراض ہو کر شام چلا گیا اور وہیں فوت ہوا۔

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے، جو اس قبیلے سے تھے، انھیں نکاح کا پیغام بھیجا، لیکن سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس اب بھی وہی عذر تھا یعنی ابوطلحہ مشرک تھے۔ اس لیے وہ ان سے نکاح نہیں کرسکتی تھیں۔ غرض سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کچھ دنوں تک غور کر کے اسلام کا اعلان کیا اور سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے سامنے آ کر کلمۂ شہادت پڑھا، سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے کہا: اب تم ان کے ساتھ میرا نکاح کردو۔[1] مہر معاف کر دیا اور کہا: میرا مہر تمھارا اسلام ہے۔ نکاح کے بعد سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بیعت عقبہ میں شرکت کی اور چند ماہ کے بعد جناب رسالت مآب ﷺ مدینہ میں تشریف لائے، سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا اپنے صاحبزادے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: انس کو آپ کی خدمت میں پیش کرتی ہوں، یہ میرا بیٹا ہے، آپ اس کے لیے دعا فرمائیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی۔[2]

[1] الاصابة فی تمییز الصحابة: 409/8، رقم الترجمة: 12077. [2] صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء بکثرة المال مع البرکة:6378؛ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل انس بن مالك رضی اللّٰه عنه: 2480/141.

اسی زمانے میں آپ نے مہاجر اور انصار میں مواخاۃ قائم کی اور یہ مجمع بھی ان ہی کے مکان میں ہوا۔① غزوات میں بھی سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے نہایت جوش سے حصہ لیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا اور انصار کی چند عورتوں کو غزوات میں ساتھ رکھتے تھے جو لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کیا کرتی تھیں۔②

غزوۂ اُحد میں جب مسلمانوں کے جمے ہوئے قدم اکھڑ گئے تو وہ نہایت مستعدی سے کام کر رہی تھیں۔ صحیح البخاری میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلیم رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ مشک بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں، مشک خالی ہو جاتی تو پھر جا کر بھر لاتی تھیں۔③

سن ۵ھ میں جب رسول اللہ ﷺ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، تو اس موقع پر بھی سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ایک لگن میں مالیدہ بنا کر سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا اور کہا: رسول اللہ ﷺ سے کہنا کہ اس حقیر ہدیے کو قبول فرمائیں۔④

سن ۷ھ میں خیبر کا معرکہ ہوا، سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا اس میں بھی شریک تھیں، جب رسول اللہ ﷺ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا ہی نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کے لیے سنوارا تھا۔⑤

غزوۂ حنین میں وہ ایک خنجر ہاتھ میں لیے ہوئے تھیں۔ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو نبی کریم ﷺ سے کہا: ام سلیم رضی اللہ عنہا ہاتھ میں خنجر لیے ہوئے ہیں۔ آپ نے پوچھا: ''کیا کریں گی؟'' بولیں: اگر کوئی مشرک قریب آئے گا تو اس سے اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔ نبی کریم ﷺ یہ سن کر مسکرا دیے، سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے رسول! مکہ

① صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب مؤاخاة النبى ﷺ بين أصحابه رضى الله عنهم: 2529/205. ② صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب غزوه النساء مع الرجال: 1810/135. ③ صحيح البخارى، كتاب الجهاد والسير، باب غزوه النساء وقتالهن مع الرجال: 2880. ④ الطبقات الكبرى لابن سعد: 83/8. ⑤ الطبقات الكبرى لابن سعد: 96/8.

کے جو لوگ فرار ہو گئے ہیں ان کے قتل کا حکم دیجیے، ارشاد ہوا: ''اللہ نے خود ان کا انتظام کر دیا ہے۔''[1]

سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا سے چند حدیثیں مروی ہیں جنہیں سیدنا انس، ابن عباس، زید بن ثابت، ابو سلمہ اور عمرو بن عاصم رضی اللہ عنہم نے ان سے روایت کیا ہے۔ لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے، سیدنا عبداللہ بن عباس اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما میں ایک مسئلے میں اختلاف ہوا تو انہوں نے انہی کا حکم مانا۔[2]

انھیں مسائل پوچھنے میں کوئی عار نہ تھا، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ حق بات سے شرم نہیں کرتا، کیا عورت پر بھی احتلام ہو جانے کی صورت میں غسل واجب ہے؟ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا جو کہ یہ سب سوال سن رہی تھیں، بے ساختہ ہنس پڑیں کہ تم نے عورتوں کی بڑی فضیحت کی ہے، بھلا عورتوں کو بھی ایسا ہوتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیوں نہیں، ورنہ بچے ماں کے ہم شکل کیسے ہوتے ہیں۔''[3]

سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا میں بڑے بڑے فضائل و اخلاق جمع تھے، جوش ایمان کا یہ عالم تھا کہ اپنے پہلے شوہر سے صرف اس بنا پر علیحدگی اختیار کی کہ وہ اسلام قبول کرنے پر رضامند نہ تھے۔ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا تو محض اس وجہ سے رد کر دیا کہ وہ مشرک ہیں، اس موقع پر انہوں نے ابوطلحہ کو جس خوبی سے اسلام کی دعوت دی وہ سننے کے قابل ہے فرماتی ہیں:

''يَا اَبَا طَلْحَةَ! اَلَسْتَ تَعْلَمُ اَنَّ اِلٰهَكَ الَّذِيْ تَعْبُدُ نَبَتَ مِنَ الْاَرْضِ؟ قَالَ: بَلٰى، قَالَتْ: فَلَا تَسْتَحْيِ تَعْبُدُ شَجَرَةً؟!''[4]

اے ابوطلحہ! کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارا معبود زمین سے اُگا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں، تو سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا بولیں: پھر تمہیں درخت کی پوجا کرتے شرم نہیں آتی؟!

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب غزوه النساء مع الرجال: 1089/134.
[2] مسند احمد: 27427. [3] مسند احمد: 27114. [4] الاصابة فی تمییز الصحابة: 409/8، رقم الترجمة: 12077.

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ پر اس تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ فوراً مسلمان ہو گئے۔

سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حد درجہ محبت کرتی تھیں، آپ اکثر ان کے مکان پر تشریف لے جاتے اور دوپہر کو آرام فرمایا کرتے تھے، جب بستر سے اٹھتے تو وہ آپ کے پسینے اور ٹوٹے بالوں کو ایک شیشی میں جمع کر لیتی تھیں۔ [1]

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مشک سے منہ لگا کر پانی پیا تو انہوں نے اس مشک کا منہ کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دہن مبارک مس ہوا ہے۔ [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے خاص محبت تھی، صحیح مسلم میں ہے:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَا يَدْخُلُ عَلَى أَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِ، إِلَّا أُمِّ سُلَيْمٍ، فَإِنَّهُ كَانَ يَدْخُلُ عَلَيْهَا، فَقِيلَ لَهُ فِي ذٰلِكَ، فَقَالَ: «إِنِّي أَرْحَمُهَا قُتِلَ أَخُوهَا مَعِي» [3]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے علاوہ اور کسی عورت کے ہاں نہیں جایا کرتے تھے، لیکن سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا اس سے مستثنیٰ تھیں، لوگوں نے اس بابت دریافت کیا تو فرمایا: "مجھے ان پر رحم آتا ہے، ان کے بھائی (سیدنا حرام رضی اللہ عنہ) میرے ساتھ شہید ہوئے ہیں۔"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اکثر اوقات ام سلیم رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔

سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نہایت صابرہ اور مستقل مزاج تھیں، ابوعمیر ان کا بہت پیارا اور لاڈلا بیٹا تھا، لیکن جب اس نے انتقال کیا تو نہایت صبر سے کام لیا، ان کے اس واقع کو پہلے بیان کیا جا چکا ہے، یہ بڑی سچی اور صاحب کرامت خاتون تھیں، جیسا کہ ذیل کے واقعہ

[1] صحیح البخاری، کتاب الاستئذان، باب من زار قوماً فقال عندهم: 6281.
[2] مسند احمد: 27428. [3] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ام سلیم: 2455/104.

سے آپ کو معلوم ہو جائے گا۔

ایک مرتبہ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آئے اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھوکے ہیں کچھ بھیج دو، سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے چند روٹیاں ایک کپڑے میں لپیٹ کر سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیں، آپ مسجد میں تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی بیٹھے ہوئے تھے، سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر فرمایا: ''تمہیں سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بھیجا ہے''؟ عرض کی: جی ہاں، فرمایا: ''کھانے کے لیے؟'' کہا: ہاں۔ آپ تمام صحابہ کو لے کر سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لائے، سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ گھبرا گئے اور سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا: اب کیا کیا جائے؟ کھانا نہایت قلیل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجمع اپنے ساتھ لائے ہیں۔ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے نہایت استقلال کے ساتھ جواب دیا: اللہ اور اس کے رسول ان باتوں کو زیادہ جانتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر آئے سیدہ تو ام سلیم رضی اللہ عنہا نے وہی روٹیاں اور سالن سامنے رکھ دیا، اللہ کی شان! اس میں بڑی برکت ہوئی اور سب لوگوں نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔[1]

یہ نیک بخت خاتون خواتین جنت میں سے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں جنت میں گیا تو مجھے آہٹ معلوم ہوئی میں نے کہا: یہ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا: انس رضی اللہ عنہ کی والدہ غمیصاء بنت ملحان ہیں۔''[2]

آپ بھی سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کی سیرت سے نصیحت حاصل کریں۔

[1] صحیح البخاری، کتاب الاطعمة، باب من اکل حتی شبع:5318. [2] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ام سلیم: 2456/105.

سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا

ان کا نام نسیبہ جبکہ کنیت ام عمارہ رضی اللہ عنہا ہے، پہلے ان کا نکاح زید بن عاصم سے ہوا، پھر غزیہ بن عمرو کے نکاح میں آئیں اور ان ہی کے ساتھ بیعت عقبہ میں شرکت کی، سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ بیعت عقبہ میں ۷۳ مرد اور ۲ عورتیں شامل تھیں۔ سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کا بھی ان میں شمار ہے۔ ①

ہجرت کے بعد جب لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ اکثر لڑائیوں میں شریک ہوئیں۔ بالخصوص احد، حدیبیہ، خیبر، عمرہ قضا، حنین اور یمامہ کی لڑائیوں میں شریک ہوئیں، خود ہی احد کی لڑائی کا قصہ سناتی ہیں کہ میں نے احد کی لڑائی کا حال جاننے کے لیے جلدی سے ایک پانی کا مشکیزہ لیا کہ دیکھوں مسلمانوں پر کیا گزر رہی ہے اور ساتھ ہی اگر کوئی پیاسا زخمی مل گیا تو اسے پانی پلا دوں گی، اس وقت ان کی عمر پینتالیس برس تھی، ان کے خاوند اور دو بیٹے بھی لڑائی میں شریک تھے، مسلمانوں کا غلبہ ہو رہا تھا مگر تھوڑی ہی دیر میں جب کافروں کا غلبہ ظاہر ہونے لگا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ گئی اور جو کافر بھی ادھر کا رخ کرتا اس کو ہٹاتی۔ ابتدا میں ان کے پاس ڈھال بھی نہ تھی، پھر جب ڈھال ملی تو اس پر کافروں کا حملہ روکتی تھیں۔ کمر پر کپڑا باندھ رکھا تھا، جس کے اندر مختلف قسم کے چیتھڑے بھرے ہوئے تھے، جب کوئی زخمی ہو جاتا تو ایک چیتھڑا جلاتیں اور اس کے زخم میں بھر دیتیں، خود بھی زخمی ہوئیں، بارہ تیرہ جگہ زخم آئے جن میں ایک بہت گہرا تھا۔

سیدہ ام سعد رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے ان کے کندھے پر ایک بہت گہرا زخم دیکھا، تو پوچھا: یہ کس طرح پڑا تھا؟ کہنے لگیں: احد کی لڑائی میں جب لوگ ادھر اُدھر پریشان

① الطبقات الكبرى لابن سعد: 303/8، رقم الترجمہ: 4549.

پھر رہے تھے تو ابن قمیہ یہ کہتے ہوئے آگے بڑھا کہ محمد (ﷺ) کہاں ہیں؟ مجھے کوئی بتا دے کہ کدھر ہیں؟ اگر وہ آج بچ گئے تو میری نجات نہیں؟ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور چند لوگ اس کے سامنے آ گئے، جن میں میں بھی تھی، اس نے میرے کندھے پر وار کیا، میں نے بھی اس پر کئی وار کیے، مگر اس پر دوہری زرہ تھی، اس لیے حملہ زرہ پر رک جاتا تھا۔ ① یہ زخم ایسا سخت تھا کہ سال بھر علاج کیا مگر اچھا نہ ہوا، اسی دوران میں رسول اللہ ﷺ نے حمراء الاسد کی لڑائی کا اعلان فرما دیا، سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا بھی کمر باندھ کر تیار ہو گئیں مگر چونکہ زخم بالکل ہرا تھا اس لیے شریک نہ ہو سکیں جب نبی کریم ﷺ حمراء الاسد سے تشریف لائے تو سب سے پہلے سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کی خیریت معلوم کی، جب معلوم ہوا کہ افاقہ ہے تو بہت خوش ہوئے۔ ②

اس زخم کے علاوہ احد کی لڑائی میں اور بھی کئی زخم آئے تھے سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اصل میں وہ لوگ گھوڑوں پر سوار تھے جبکہ ہم پیدل تھے، اگر وہ بھی ہماری طرح پیدل ہوتے تب اصل مقابلے کا پتہ چلتا۔ جب گھوڑے پر کوئی آتا اور مجھے مارتا تو میں اس کے حملوں کو ڈھال پر روکتی رہتی اور جب وہ مجھ سے منہ موڑ کر دوسری طرف چلتا تو میں اس کے گھوڑے کی ٹانگ پر حملہ کرتی، جب وہ کٹ جاتی تو گھوڑا بھی گرتا اور سوار بھی گر جاتا تو رسول اللہ ﷺ میرے لڑکے کو آواز دے کر میری مدد کو بھیجتے اور ہم دونوں مل کر اس کا کام تمام کر دیتے۔

ان کے بیٹے سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرے بائیں بازو میں زخم آیا جس سے خون تھم نہیں رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس پر پٹی باندھ لو۔'' میری والدہ آئیں اور کمر سے کچھ کپڑا نکالا، پٹی باندھی اور باندھ کر کہنے لگیں: جاؤ کافروں سے مقابلہ کرو، نبی کریم ﷺ نے اس دوران میں انہیں اور ان کے گھرانے کتنی ہی دعائیں دیں اور تعریف بھی فرمائی۔ سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اس وقت ایک کافر سامنے آیا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''یہی ہے جس نے تیرے بیٹے کو زخمی کیا ہے۔'' میں آگے بڑھی اور اس کی پنڈلی پر وار کیا، جس سے وہ زخمی ہوا اور ایک دم بیٹھ گیا، رسول اللہ ﷺ

① الاصابة فی تمییز الصحابة: 479/4. ② الطبقات الکبری لابن سعد: 304/8.

مسکرائے اور فرمایا: ''بیٹے کا بدلہ لے لیا۔'' اس کے بعد ہم لوگ آگے بڑھے اور اس کا کام بھی تمام کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے جب ہم لوگوں کو دعائیں دیں تو میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! دعا فرمایئے کہ حق تعالیٰ جنت میں آپ کی رفاقت نصیب فرمائے، جب رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرما دی تو کہنے لگیں: اب کچھ پروا نہیں کہ دنیا میں مجھ پر کیا مصیبت گزرے۔

احد کے علاوہ اور کتنی ہی لڑائیوں میں ان کی شرکت اور کارنامے ظاہر ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ارتداد کا دور شروع ہوا۔ اس دور میں زبردست لڑائی ہوئی، اس میں بھی ام عمارہ رضی اللہ عنہا شریک تھیں، ان کا ایک ہاتھ بھی اس میں کٹ گیا تھا اور اس کے علاوہ بھی گیارہ زخم بدن پر آئے تھے، انھی زخموں کی حالت میں مدینہ منورہ پہنچیں۔ [1]

واقعہ یوں ہے کہ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں یمامہ کی جنگ ہوئی، جو نبوت کے دعوے دار مسیلمہ کذاب سے مقابلہ تھا، سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے (حبیب) کو لے کر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ ہوئیں اور جب مسیلمہ نے ان کے بیٹے کو قتل کر دیا تو انہوں نے منت مانی کہ یا تو مسیلمہ قتل ہوگا یا وہ خود جان دے دیں گی، یہ کہہ کر تلوار کھینچ لی اور میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئیں اور اس پامردی سے مقابلہ کیا کہ بارہ زخم کھائے اور ایک ہاتھ کٹ گیا۔ اس جنگ میں مسیلمہ بھی مارا گیا اور یوں ان کی نذر بھی پوری ہوگئی۔

رسول اللہ ﷺ سے ان کی جو محبت تھی اس کا اصلی منظر تو غزوۂ احد میں نظر ہی آتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ ان کے گھر تشریف لائے تو انہوں نے کھانا پیش کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم بھی کھاؤ۔'' وہ بولیں: میں روزے سے ہوں، رسول اللہ ﷺ نے کھانا نوش فرمایا اور کہا: ''روزے دار کے پاس اگر کچھ کھایا جائے تو اس پر فرشتے درود بھیجتے ہیں۔'' [2]

آپ سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کی اس بہادری سے سبق سیکھیں۔

[1] الطبقات الكبرى لابن سعد: 8/305، 306. [2] مسند أحمد: 27059.

سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا

ان کا نام نسیبہ بنت حارث تھا، انصار کے قبیلہ ابی مالک بنی نجار سے تھیں۔[1] ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں، رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو انصار کی عورتوں کو ایک مکان میں بیعت کے لیے جمع کیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دروازے پر بھیجا کہ ان شرائط پر بیعت لیں، انہوں نے شرائط پیش کیں تو عورتوں نے یہ سب تسلیم کر لیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اندر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور عورتوں نے اپنے ہاتھ باہر نکالے (جو بیعت کی علامت تھی)[2]

سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سات غزوات میں شریک ہوئیں، جن میں وہ مردوں کے لیے کھانا پکاتیں، ان کے سامان کی حفاظت کرتیں، مریضوں کی تیمارداری اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں۔[3] سن ۸ ھ میں رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا اور چند عورتوں نے انہیں غسل دیا، رسول اللہ ﷺ نے ان کو غسل دینے کا طریقہ بتلایا۔[4] خلافت راشدہ کے زمانے میں ان کا ایک لڑکا کسی جنگ میں شریک تھا، وہ بیمار ہو کر بصرہ آیا۔ سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا مدینہ میں تھیں، خبر ملی تو نہایت عجلت سے بصرہ روانہ ہوئیں، لیکن پہنچنے سے ایک دو دن پہلے وہ وفات پا چکا تھا، یہاں آ کر انہوں نے بنو خلف کے محل میں قیام کیا، تیسرے روز انہوں نے خوشبو منگوا کر ملی اور کہا: شوہر کے علاوہ اور کسی کے لیے تین دن سے زیادہ سوگ نہیں کرنا چاہیے۔[5]

اس کے بعد بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔[6] یہ نیک بخت خاتون رسول اللہ ﷺ سے بہت محبت کرتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ بھی ان سے بہت محبت کرتے تھے۔

[1] اسد الغابة: 356/7. [2] مسند احمد: 27309. [3] صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب النساء الغازیات: 1812/142. [4] صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب التیمن فی الوضوء والغسل: 167. [5] صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب احداد المرأة علی غیر زوجها: 1279۔ [6] اسد الغابة: 356/7، رقم الترجمه: 7542.

سیدہ ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا

یہ ہجرت سے پہلے مسلمان ہوئیں، ایاس بن بکیر لیثی سے شادی ہوئی، صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ ان کے گھر تشریف لائے اور بستر پر بیٹھ گئے، لڑکیاں دف بجا بجا کر شہدائے بدر کے مناقب میں اشعار پڑھ رہی تھیں، اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کی شان میں بھی کچھ اشعار پڑھے، جن میں ایک مصرعہ یہ تھا:

وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ

میں وہ نبی ہیں کہ جو کل کی بات جانتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ نہ کہو اور اس کے علاوہ جو کہتی تھیں وہ کہو۔''[1]

سیدہ ربیع رضی اللہ عنہا غزوات میں شریک ہوتیں تھیں، زخمیوں کا علاج کرتیں، لوگوں کو پانی پلاتیں، مقتولوں کو مدینہ پہنچاتیں اور فوج کی خدمت کرتیں۔[2]

غزوۂ حدیبیہ میں موجود تھیں، جب بیعت رضوان کا وقت آیا تو انہوں نے بھی آکر بیعت کی، رسول اللہ ﷺ کو ان سے بے انتہا محبت تھی، آپ ان کے گھر اکثر تشریف لے جاتے تھے، ایک مرتبہ آپ تشریف لائے اور ان سے وضو کے لیے پانی مانگا۔[3] ایک مرتبہ دو طباقوں میں چھوارے اور انگور لے کر گئیں تو آپ نے زیور یا سونا مرحمت فرمایا۔[4]

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا کسی نے حلیہ دریافت کیا تو بولیں: یوں سمجھ لو کہ آفتاب طلوع ہو رہا ہے۔[5]

[1] صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب فضل من شهد بدراً: 4001.
[2] مسند أحمد: 27017. [3] مسند أحمد: 27016. [4] مسند أحمد: 27020.
[5] اسد الغابة: 108/7، رقم الترجمه: 6918.

سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا

یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حقیقی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچا زاد بہن تھیں، فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن انھی کے مکان میں غسل کیا اور چاشت کی نماز پڑھی۔ انھوں نے اپنے دو عزیز مشرکوں کو پناہ دی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے پناہ دینے کی وجہ سے انھیں پناہ دی۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل دریافت کر لیا کرتی تھیں، آپ کو ان سے خاص عقیدت اور محبت تھی، فتح مکہ کے زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مکان پر تشریف لے گئے اور شربت نوش فرمایا، پھر انھیں دیا تو انھوں نے کہا: میں روزے سے ہوں لیکن آپ کا جھوٹا واپس نہیں کر سکتی، لہٰذا پی لیا، پھر خود ہی عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں روزے سے تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر روزہ رمضان کی قضا ہے تو کسی دوسرے دن پورا کر لینا اور اگر محض نفل ہے تو اس کی قضا ضروری نہیں، چاہے رکھو چاہے نہ رکھو۔''[2]

ایک مرتبہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: اب میں ضعیفہ ہو گئی ہوں اور چلنے پھرنے میں ضعف معلوم ہوتا ہے، اس لیے کوئی ایسا عمل بتلایئے کہ جسے میں بیٹھے بیٹھے انجام دے سکوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سبحان اللّٰہ سو مرتبہ، اللّٰہ اکبر سو مرتبہ اور لا الہ الا اللّٰہ سو مرتبہ پڑھ لیا کرو۔''[3]

[1] مسند أحمد: 29896. [2] مسند أحمد: 26893.
[3] مسند أحمد: 26911.

سیدہ فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا

یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں، ان کے خاوند کا نام سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ ہے، انہی کے ساتھ اوائلِ اسلام میں مسلمان ہوئیں۔ کچھ دنوں کے بعد ان کے بھائی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی انہی کے سبب سے مسلمان ہوئے۔ ان کا یہ قصہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے خود ہی بیان کیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا رہے تھے کہ راستے میں ایک مخزومی صحابی سے ملاقات ہوئی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب اختیار کیا ہے؟ وہ بولے: ہاں! لیکن پہلے اپنے گھر والوں کی خبر لو، تمہاری بہن اور بہنوئی نے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب قبول کر لیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدھے بہن کے گھر پہنچے، وہ دروازہ بند کر کے قرآن مجید کی تلاوت کر رہی تھیں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی آہٹ پا کر خاموش ہو گئیں اور قرآن مجید کے اوراق چھپا دیے، لیکن آواز کان میں پڑ چکی تھی، پوچھا: یہ آواز کیسی تھی؟ انہوں نے کہا: کچھ نہیں بولے: میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو، یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریبان ہو گئے، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی، بال پکڑ کر گھسیٹے اور اس قدر مارا کہ ان کا بدن لہولہان ہو گیا، اسی حالت میں ان کی زبان سے نکلا: عمر! جو ہو سکتا ہے کر لو، لیکن اب اسلام دل سے نہیں نکل سکتا۔ ان الفاظ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل پر خاصا اثر کیا، بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، ان کے بدن سے خون جاری تھا، یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی، فرمایا: تم لوگ جو پڑھ رہے تھے، وہ مجھے بھی سناؤ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے قرآن مجید کے اوراق سامنے رکھ دیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پڑھتے جاتے تھے اور ان پر رعب چھاتا جاتا تھا، یہاں تک کہ ایک آیت پر پہنچ کر پکار اٹھے: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔[1] آپ ان کے واقعے سے سبق حاصل کریں۔

[1] الإصابة في تمييز الصحابة: 271/8، رقم الترجمة: 11594.

سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا

ان کا نکاح سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے 'دارِ ارقم میں مقیم ہونے سے قبل مسلمان ہوئیں، سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی زمانے میں اسلام قبول کیا تھا۔ ①

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور کئی سال تک وہاں مقیم رہیں، سن ۷ ھ میں جب خیبر فتح ہوا تو مدینہ آئیں اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئیں تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی آگئے، پوچھا: یہ کون ہیں؟ جواب ملا: اسماء، بولے: وہ حبشہ والی، وہ سمندر والی؟ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: ہاں وہی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمیں تم پر فضیلت ہے، اس لیے کہ ہم مہاجر ہیں۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کو یہ سن کر غصہ آیا، بولیں: کبھی نہیں، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ بھوکوں کو کھلاتے اور جاہلوں کو پڑھاتے تھے، لیکن ہماری حالت بالکل جداگانہ تھی، دور دراز کے مقام میں صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے پڑے رہے اور بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انہوں نے سارا واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا: ''انہوں نے ایک ہجرت کی جبکہ تم نے دو ہجرتیں کیں، اس لیے تمہیں زیادہ فضیلت ہے۔'' سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا اور دوسرے مہاجرین کو اس سے اس درجہ مسرت ہوئی کہ تمام کی تمام فضیلتیں ہیچ معلوم ہوتی تھیں، مہاجرین حبشہ جوق در جوق سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس آتے اور واقعہ دریافت کرتے۔ ②

سن ۸ ھ غزوۂ موتہ میں سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو دیکھا کہ آپ بھی آبدیدہ تھے، میں نے

① سیرة ابن هشام: 257/1. ② صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر: 4230.

عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کیوں آبدیدہ ہیں؟ کیا سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے متعلق کوئی اطلاع آئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں، وہ شہید ہو گئے ہیں۔'' میں بچوں کو نہلا دھلا کر ساتھ لے گئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو اپنے پاس بلایا اور اپنے اہل بیت کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: ''جعفر رضی اللہ عنہ کے بچوں کے لیے کھانا پکاؤ، کیونکہ وہ رنج و غم میں مصروف ہیں۔''[1] اس کے بعد مسجد میں جا کر غمزدہ بیٹھے اور اس خبر کا اعلان کیا۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح پڑھا دیا۔[3] جس کے دو برس بعد ذیقعدسن ۱۰ھ میں محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، اس وقت سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا حج کی غرض سے مکہ آئی ہوئی تھیں، چونکہ محمد ذوالحلیفہ میں پیدا ہوئے تھے، لہٰذا سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا: میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: ''نہا کر احرام باندھ لو۔''[4]

سن ۱۳ھ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو وصیت کی کہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا غسل دیں۔[5] سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد اسماء رضی اللہ عنہا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں، محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ آئے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی آغوش تربیت میں پرورش پائی۔

سن ۳۸ھ میں محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ مصر میں شہید ہوئے اور ان کی لاش کو گدھے کی کھال میں جلایا گیا، سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے لیے اس سے بڑا واقعہ اور کیا ہو سکتا تھا، ان کو سخت صدمہ ہوا لیکن نہایت صبر سے کام لیا اور مصلیٰ پر کھڑی ہو گئیں۔[6]

① مسند أحمد: 27086. ② صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب من جلس عند المصيبة يعرف فيه الحزن: 1299. ③ الإصابة في تمييز الصحابة: 15/8، رقم الترجمة: 10809. ④ صحيح مسلم، كتاب الحج، باب صحة احرام النفساء: 1210/110. ⑤ الطبقات الكبرى لابن سعد: 151/3. ⑥ اسد الغابة: 97/5، رقم الترجمه: 4751.

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما

ان کا لقب ذات النطاقین تھا، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں، سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح ہوا، شوہر کی طرح انہوں نے بھی قبول اسلام میں سبقت حاصل کی، ابن اسحاق کی روایت کے مطابق ان کا ایمان لانے والوں میں اٹھارواں نمبر تھا۔[1]

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے سفر کا سامان مہیا کیا، دو تین دن کا کھانا، ناشتہ دان میں رکھا، نطاق جس کو عورتیں کمر پر لپیٹتی ہیں، پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا، یہی وہ شرف تھا کہ جس کی بنا پر انھیں ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔[2]

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہجرت کے وقت سارا مال ساتھ لے گئے تھے، ابوقحافہ کو جو ان کے والد تھے، معلوم ہوا تو بولے: سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جانی اور مالی دونوں قسم کی تکلیف دی۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: وہ کثیر دولت چھوڑ گئے ہیں، یہ کہہ کر انھیں اور جس جگہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مال رہتا تھا وہاں بہت سے پتھر رکھ دیے اور ان پر کپڑا ڈال دیا، پھر ابوقحافہ کو لے گئیں اور کہا: ٹٹول لیجیے، یہ دیکھیے یہ رکھا ہے۔

ابوقحافہ نابینا تھے اس لیے مان گئے اور کہا: خیر کھانے کو بہت ہے، سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے ابوقحافہ کی تسکین کے لیے ایسا کیا تھا، ورنہ وہاں ایک دانہ بھی نہ تھا۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر مستورات کو بلوایا تو سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بھی آئیں۔[4] قبا میں قیام کیا، یہاں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔[5] انہیں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] سيرة ابن اسحاق: 143/1؛ الإصابة في تمييز الصحابة: 13/8، رقم الترجمه: 10804. [2] صحيح البخاري، كتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبي صلی اللہ علیہ وسلم: 3905. [3] مسند أحمد: 26957. [4] الطبقات الكبرى لابن سعد: 161/1. [5] الإصابة في تمييز الصحابة: 13/8.

پاس حاضر ہوئیں، آپ نے عبداللہ کو گود میں لیا، گھٹی دی اور ان کے لیے دعا فرمائی۔[1]
جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جوان ہوئے تو سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا ان کے پاس رہنے لگیں۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے چونکہ انہیں طلاق دے دی تھی۔[2]

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے گھٹی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب مبارک پیا تھا، اس بنا پر جب وہ سن شعور کو پہنچے تو اعلیٰ اخلاق کے پیکر تھے، ادھر سلطنت بنو امیہ کا فرمانروا سرتا پا فسق و فجور میں غرق تھا، لہٰذا سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت سے انکار کر دیا اور مکہ میں پناہ گزیں ہوئے، وہیں سے اپنی خلافت کی صدا بلند کی، چونکہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عظمت و جلالت کا ہر شخص معترف تھا، اس لیے تمام دنیا ہائے اسلام نے ان کی صدا پر لبیک کہی اور ملک کا بڑا حصہ ان کے علم کے نیچے آ گیا۔ لیکن جب عبدالملک بن مروان تخت نشین ہوا تو اس نے حکمت عملی سے بعض صوبوں پر قبضہ کر لیا اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مقابلے کی تیاریاں کیں، شامی لشکر نے خانہ کعبہ کا محاصرہ کیا تو سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ، سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، وہ بیمار تھیں، پوچھا: کیا حال ہے؟ بولیں: بیمار ہوں، سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: آدمی کو موت کے بعد ہی آرام ملتا ہے، سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا: شاید تمہیں میرے مرنے کی تمنا ہے لیکن میں ابھی مرنا نہیں چاہتی، میری آرزو ہے کہ تم لڑ کر شہید ہو جاؤ اور میں صبر کروں یا کامیاب ہو جاؤ اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ ہنس کے چلے گئے، شہادت کا وقت آیا تو دوبارہ ماں کی خدمت میں آئے، وہ مسجد میں بیٹھی تھیں، صلح کے متعلق مشورہ کیا، بولیں: بیٹا قتل کے خوف سے ذلت آمیز صلح بہتر نہیں، کیونکہ عزت کے ساتھ تلوار کھانا ذلت کے ساتھ کوڑا کھانے سے بہتر ہے۔

سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل کیا اور لڑ کر شہادت حاصل کی، حجاج نے ان کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا، تین دن گزرنے پر سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا ایک لونڈی کو ساتھ لے کر اپنے بیٹے کی لاش پر آئیں، لاش الٹی لٹکی تھی، دل تھام کر اس منظر کو دیکھا اور نہایت استقلال سے کہا: کیا

[1] صحیح البخاری، کتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم: 3909.
[2] اسد الغابة: 7/7، رقم الترجمه: 6705.

ابھی اس سوار کا گھوڑے سے اترنے کا وقت نہیں آیا۔[1]

مقصود حجاج کو طنز کرنا تھا۔ حجاج نے آدمی بھیجا کہ انہیں لے کر آئے۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے انکار کر دیا، اس نے پھر آدمی بھیجا کہ ابھی آ جائیں ورنہ آئندہ جو شخص بھیجا جائے گا وہ بال پکڑ کر گھسیٹ لائے گا۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا جو صرف اللہ کی شان جباری کی معترف تھیں، جواب دیا: میں نہیں جا سکتی، حجاج نے مجبوراً خود جوتا پہنا اور سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آیا اور حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

حجاج نے کہا: کہیے میں نے ابن زبیر کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بولیں: تو نے ان کی دنیا بگاڑی اور انہوں نے تیری عاقبت خراب کر دی اور فرمایا: میں نے سنا ہے کہ تو ان کو طنزاً ذات النطاقین کا بیٹا کہتا ہے، اللہ کی قسم! ذات النطاقین میں ہی ہوں، میں نے نطاق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کھانا باندھا تھا اور دوسری نطاق کمر پر لپیٹی تھی، لیکن یہ یاد رہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ثقیف میں ایک کذاب اور ایک ظالم پیدا ہوگا۔ چنانچہ کذاب کو دیکھ چکی ہوں اور ظالم تو ہے، حجاج نے یہ حدیث سنی تو چپ چاپ اٹھ کر چلا گیا۔[2]

چند دنوں بعد حجاج نے لاش اتروا کر یہود کے قبرستان میں پھینکوا دی۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے لاش کو اٹھوا کر گھر منگوایا اور غسل دلوا کر نماز جنازہ پڑھی، سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا جوڑ جوڑ الگ تھا، نہلانے کے لیے کوئی عضو اٹھایا جاتا تو ہاتھ کے ساتھ چلا آتا تھا۔ لیکن اسماء رضی اللہ عنہا نے یہ کیفیت دیکھ کر بھی صبر کیا۔[3]

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا دعا کرتی تھیں کہ جب تک میں عبداللہ کی لاش نہ دیکھ لوں مجھے موت نہ آئے، چنانچہ ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا، یہ

① الاستيعاب في معرفة الاصحاب: 908/3، 909، رقم الترجمه: 1535.

② الطبقات الكبرى: 200/8، رقم الترجمه: 4198؛ صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب ذكر كذاب ثقيف و مبيرها: 2545/229. ③ اسد الغابة: 241/3، رقم الترجمه: 2949.

جمادی الاول سنہ ۷۳ھ کا واقعہ ہے۔ اس وقت ان کی عمر سو سال تھی۔ ①

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بالطبع نیکی کی طرف مائل تھیں، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسوف کی نماز پڑھ رہے تھے، نماز کو بہت طول دیا تو سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کیا، ان کے پاس دو عورتیں کھڑی تھیں، جن میں سے ایک فربہ اور دوسری لاغر تھیں، یہ دیکھ کر انہوں نے اپنے دل کو تسلی دی کہ مجھے ان سے زیادہ دیر تک کھڑا رہنا چاہیے۔ ② لیکن چونکہ نماز کئی گھنٹے تک جاری رہی، اس لیے سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا پر غشی طاری ہوگئی اور سر پر پانی چھڑکنے کی نوبت آگئی۔ ③

ابن ابی ملیکہ کا بیان ہے کہ ان کے سر میں درد ہوتا تو سر پکڑ کر کہتیں کہ یہ میرا گناہ ہے اور جو گناہ اللہ معاف کرتا رہتا ہے، وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ ④

حق گوئی ان کا خاص شعار تھا، اس کی متعدد مثالیں اوپر گزر چکی ہیں، حجاج بن یوسف جیسے جابر اور ظالم کے سامنے وہ جس صاف گوئی سے کام لیتی تھیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ایک دن وہ منبر پر بیٹھا ہوا تھا کہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا اپنی لونڈی کے ساتھ آئیں اور دریافت کیا: امیر کہاں ہے؟ معلوم ہوا تو حجاج کے قریب گئیں، اس نے دیکھتے ہی کہا: تمہارے بیٹے نے اللہ کے گھر میں الحاد کیا تھا۔ اس لیے اللہ نے اسے بڑا دردناک عذاب دیا۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے برجستہ جواب دیا: تو جھوٹا ہے، وہ ملحد نہ تھا بلکہ روزہ دار، عبادت گزار اور شب بیدار تھا۔ ⑤

یہ نیک بخت خاتون نہایت صابرہ تھیں، سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت ایک قیامت تھی، لیکن اس میں انہوں نے جس استقلال، عزم، صبر اور تحمل سے کام لیا تاریخ میں اس کی بہت کم مثالیں ملتی ہیں، حد درجہ خوددار تھیں، حجاج بن یوسف جیسے ظالم امیر کی نخوت بھی ان کی خودداری کی چٹان سے ٹکرا کر چور چور ہو جاتی تھی۔

① الاستيعاب في معرفة الاصحاب: 1783/4، رقم الترجمه: 3226. ② مسند أحمد: 26954. ③ صحيح البخاري، كتاب الكسوف، باب صلاة النساء مع الرجال في الكسوف: 1053. ④ سير الصحابيات مع اسوه صحابيات: 138؛ الطبقات الكبرى: 198/8. ⑤ مسند أحمد: 26967.

بایں ہمہ نہایت متواضع اور خاکسار تھیں، محنت مشقت میں ان کو بالکل عار نہ تھی، جب ان کا نکاح ہوا تو سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ نہ تھا، صرف ایک اونٹ اور ایک گھوڑا تھا، وہ گھوڑے کو چارا دیتیں، پانی بھرتیں اور مشکیزہ سیتیں، روٹی پکانی نہیں آتی تھی اس لیے آٹا گوندھ کر رکھ دیتیں تو انصار کی بعض عورتیں روٹی پکا دیتی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو زمین عنایت فرمائی تھی وہ وہاں جا کر چھوہاروں کی گٹھلیاں چنتیں اور تین فرلانگ سے سر پر لاتیں، ایک دن اسی حالت میں آ رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہو گئی، آپ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا کہ سوار ہو جائیں لیکن سبحان اللہ! سر پر بوجھ لادنے سے شرم محسوس نہیں کی، کچھ زمانے کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک غلام دیا جو گھوڑے کی تربیت اور دیکھ بھال کرتا تھا، تب سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی مصیبت کچھ کم ہوئی، کہتی تھیں: ''فَكَأَنَّمَا أَعْتَقَنِيْ'' گویا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے آزاد کر دیا۔[1] غربت کی وجہ سے جو کچھ خرچ کرتیں ناپ تول کر خرچ کرتیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آمدنی وافر ہو گئی اور پھر کبھی تنگدست نہ ہوئیں۔[2]

یہ نیک بخت خاتون حد درجہ فیاض تھیں، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو فیاض نہیں دیکھا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی وفات کے وقت ترکے میں ایک جنگل چھوڑا، جو ان کے حصے میں آیا تھا لیکن انہوں نے اس کو لاکھ درہم پر فروخت کر کے ساری رقم عزیزوں میں تقسیم کر دی۔[3]

بیمار پڑتیں تو غلام آزاد کر دیتی تھیں۔[4] سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کا مزاج تیز تھا، اس لیے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا میں بلا اجازت ان کے مال سے خیرات دے سکتی ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔[5]

---

(1) صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب الغيرة: 5224. (2) مسند أحمد: 26970. (3) صحيح البخاري، كتاب الهبة، باب هبة الواحد للجماعة قبل الحديث: 2602. (4) الطبقات الكبرى: 8/198، رقم الترجمه: 4198.

(5) مسند أحمد: 26984.

ایک مرتبہ ان کی والدہ مدینہ آئیں اور ان سے پیسہ مانگا، سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: میری ماں مشرکہ ہے، کیا میں اس حالت میں ان کی مدد کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔''[1]

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے کئی حج کیے، پہلا حج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا۔[2] اس میں جو کچھ دیکھا انہیں بالکل صحیح یاد تھا، ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حج کے لیے آئیں اور مزدلفہ میں ٹھہریں تو رات کو نماز پڑھی، پھر اپنے غلام سے پوچھا: کیا چاند چھپ گیا، اس نے کہا: نہیں، پھر جب چاند ڈوب گیا تو بولیں: اب رمی کے لیے چلو، رمی کے بعد پھر واپس آئیں اور صبح کی نماز پڑھی، اس نے کہا: آپ نے بڑی عجلت کی، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ نشینوں کو اس کی اجازت دی ہے۔[3] جب کبھی حجون مقام سے گزرتیں تو کہتیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہاں رکے تھے۔ اس وقت ہمارے پاس بہت کم سامان تھا، میں، عائشہ رضی اللہ عنہا اور زبیر رضی اللہ عنہ نے عمرہ کیا اور طواف کر کے حلال ہوئے تھے۔[4]

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بڑی نیک اور بہت بہادر تھیں، اخلاقی جرأت و ہمت کے چند واقعات اوپر گزر چکے ہیں۔ سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عروج اسلام میں جب فتنہ فساد اور بدامنی شروع ہوئی تو انہوں نے ایک خنجر اپنے پاس رکھا، لوگوں نے پوچھا: اس کا کیا فائدہ ہے؟ بولیں: اگر کوئی چور آیا تو اس سے اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے تقدس کا چرچا عام تھا، لوگ ان سے دعا کراتے تھے، جب کوئی بخار میں مبتلا عورت ان کے پاس آتی تو اس کے سینے پر پانی چھڑکتیں اور کہتیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔''[5]

[1] صحيح البخاري، كتاب الهبة، باب الهبة للمشركين: 2620. [2] مسند أحمد: 26916. [3] صحيح البخاري، كتاب الحج، باب من قدم ضعفة أهله بليل: 1679. [4] صحيح البخاري، كتاب العمرة، باب متى يحل المعتمر: 1796. [5] صحيح البخاري، كتاب الطب، باب الحمى من فيح جهنم: 5724.

سیدہ زینب بن ابی معاویہ رضی اللہ عنہا

ان کا نکاح سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا، بڑی نیک بخت خاتون تھیں۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا چونکہ کوئی ذریعہ معاش نہ تھا، لہٰذا سیدہ زینب رضی اللہ عنہا دستکاری کیا کرتی تھیں۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی اور اپنی اولاد کی کفالت خود کیا کرتی تھیں، ایک دن کہنے لگیں: تم نے اور تمہاری اولاد نے مجھے خیرات سے روک رکھا ہے، جو کچھ کماتی ہوں تمہیں کھلا دیتی ہوں، بھلا اس میں مجھے کیا فائدہ؟ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اپنے فائدے کی صورت نکال لو، مجھے تمہارا نقصان (صدقہ نہ کرنا) منظور نہیں۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور عرض کیا: میں دستکار ہوں اور جو کچھ اس سے کماتی ہوں شوہر اور بچوں میں صرف ہو جاتا ہے، کیونکہ میرے شوہر کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے، اس وجہ سے میں محتاجوں کو صدقہ نہیں دے سکتی، اس حالت میں مجھے کیا ثواب ملتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہیں دوہرا ثواب ملتا ہے'' تمہیں ان کی مزید خبر گیری کرنی چاہیے۔[1]

[1] صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الأقربین: 1000/45.

سیدہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا

یہ ہجرت کے بعد مسلمان ہوئیں اور چند عورتوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیعت کے لیے حاضر ہوئیں، رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے عرض کیا: میں مسلمان عورتوں کی طرف سے ایک پیغام لے کر آئی ہوں، اللہ نے آپ کو مردوں اور عورتوں سب کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے، ہم نے آپ کی پیروی کی ہے اور آپ پر ایمان لائی ہیں، لیکن ہماری حالت مردوں سے بالکل مختلف ہے، ہم پردہ نشین ہیں اس لیے نمازِ جمعہ اور جماعت میں شریک نہیں ہو سکتیں، مرد مریضوں کی عیادت کرتے ہیں، لیکن ہم ان تمام صورتوں میں گھر میں بیٹھ کر ان کی اولاد کو پالتی ہیں، گھروں کی حفاظت کرتی ہیں اور کپڑوں کے لیے چرخہ کاتتی ہیں تو کیا اس صورت میں ہمیں بھی کچھ ثواب ملے گا یا نہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ سنا تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''تم نے کبھی کسی عورت سے ایسی گفتگو سنی ہے۔'' لوگوں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ نے اسماء رضی اللہ عنہا کو جواب دیا: ''عورت کے لیے شوہر کی رضا مندی نہایت ضروری چیز ہے، اگر وہ فرائض ادا کرتی اور شوہر کی مرضی پر چلتی ہے تو جس قدر مرد کو ثواب ملتا ہے اسی قدر عورت کو بھی ملتا ہے۔''[1]

مسند احمد میں اس بیعت کا کافی تفصیل سے تذکرہ آیا ہے کہ اس بیعت میں سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی خالہ بھی شریک تھیں، جو سونے کے کنگن اور انگوٹھیاں پہنے ہوئے تھیں،

[1] اسد الغابہ: 17/7، رقم الترجمۃ: 6718.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا ان کی زکوٰۃ دیتی ہو؟'' بولیں: نہیں۔ فرمایا: ''کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آگ کے کنگن اور انگوٹھیاں پہنائے؟'' سیدنا اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: خالہ! انہیں اتار دو، چنانچہ فوراً تمام چیزیں اتار کر پھینک دیں۔ اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم زیور نہیں پہنیں گی تو ہمارے شوہر ہمیں بے وقعت سمجھیں گے گا، ارشاد ہوا: ''تو پھر چاندی کے زیور بنواؤ اور ان پر زعفران مل لو کہ سونے کی چمک پیدا ہو جائے۔'' غرض ان باتوں کے بعد جب بیعت کا وقت آیا تو رسول اللہ ﷺ نے چند زبانی اقرار کرائے۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ کی بیعت کرتی ہیں، اپنا ہاتھ بڑھائیے، آپ نے فرمایا: ''میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔''[1]

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ کنگن کا واقعہ خود سید اسماء رضی اللہ عنہا کا تھا۔[2] ایک ہجری میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی اور وہ اپنے میکے سے کاشانۂ نبوت میں آئیں تو جن عورتوں نے ان کو سنوارا ان میں سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو کمرے میں بٹھا کر نبی کریم ﷺ کو اطلاع کی، آپ ان کے پاس آکر بیٹھ گئے، کسی نے دودھ پیش کیا تو تھوڑا سا پی کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیا، ان کو شرم محسوس ہوئی اور سر جھکا لیا، پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے دودھ لے کر کسی قدر پی لیا اور پھر رسول اللہ ﷺ کو واپس کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کو دیا۔ انہوں نے پیالے کو گھٹنے پر رکھ کر گردش دینا شروع کیا کہ جس طرف سے رسول اللہ ﷺ نے نوش فرمایا تھا وہاں منہ لگ جائے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دوسری عورتوں کو بھی دو۔'' سب نے جواب دیا: ہمیں خواہش نہیں ہے، آپ نے فرمایا: ''بھوک کے ساتھ جھوٹ بھی!''[3]

سن ۱۵ھ میں یرموک کا واقعہ پیش آیا، اس میں سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنے خیمے کی چوب سے نو آدمیوں کو قتل کیا۔[4] استیعاب میں ہے:

''كَانَتْ مِنْ ذَوَاتِ الْعَقْلِ وَالدِّيْنِ''[5]

[1] مسند احمد: 27563۔ [2] مسند أحمد: 27572۔ [3] مسند أحمد: 27591.
[4] الاصابة في تمييز الصحابة: 22/8. [5] الاستيعاب: 787/4، رقم الترجمه: 2323.

وہ عقل اور دین دونوں سے متصف تھیں۔

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا اکثر اوقات کا شانۂ نبوت میں حاضر ہوتیں، ایک مرتبہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بیٹھی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر فرمایا، گھر میں کہرام مچ گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ واپس آئے تو وہی حالت قائم تھی، فرمایا: ''کیوں روتی ہو۔'' سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: ہماری حالت یہ ہے کہ لونڈی آٹا گوندھنے بیٹھتی ہے اور ہمیں سخت بھوک ہوتی ہے، وہ پکا کر فارغ نہیں ہوتی کہ ہم بھوک سے بیتاب ہو جاتے ہیں، پھر دجال کے زمانے میں قحط پڑے گا، اس پر کیسے صبر کر سکیں گے (یعنی فوراً اس کے دام میں پھنس جائیں گے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس دن تسبیح و تکبیر بھوک سے بچائے گی۔'' پھر فرمایا: ''رونے کی ضرورت نہیں، اگر میں اس وقت زندہ ہوا تو میں خود سینہ سپر ہوں گا، ورنہ میرے بعد اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کی حفاظت فرمائے گا۔''[1]

[1] مسند احمد: 27568.

سیدہ ام حکیم رضی اللہ عنہا

ان کا نکاح سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابو جہل سے ہوا تھا، غزوۂ احد میں کفار کے ساتھ شریک جنگ تھیں، لیکن سن ۸ ھ میں مکہ فتح ہوا تو اسلام قبول کرلیا۔

ان کا سسر ابو جہل اسلام کا سب سے بڑا دشمن اور کفر کا سرغنہ تھا، عکرمہ کی رگوں میں بھی اس کا خون دوڑتا تھا، ماموں خالد بن ولید بن مغیرہ بھی مدت سے اسلام کے دشمن اور برسر پیکار رہ چکے تھے۔ لیکن سیدہ ام حکیم رضی اللہ عنہا نے اپنی فطرت سلامت روی کی بنا پر فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کرنے میں جلدی کی، ان کے شوہر جان بچا کر یمن بھاگ گئے تھے، سیدہ ام حکیم رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے لیے امن کی درخواست کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امان دے دی، چنانچہ ملک یمن جا کر انھیں واپس لائیں۔

سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ صدق دل سے ایمان لے آئے اور مسلمان ہو کر اپنے تمام گناہوں کا کفارہ ادا کیا، نہایت جوش کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے اور بڑی پامردی اور جان بازی سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رومیوں کے خلاف جنگ کی، سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ سیدہ ام حکیم رضی اللہ عنہا کو لے کر شام چلے گئے اور اجنادین کے معرکے میں داد شجاعت دے کر شہادت حاصل کی۔

سیدہ ام حکیم رضی اللہ عنہا نے عدت کے بعد خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے چار سو دینار حق مہر کے عوض نکاح کر لیا، رسم عروسی ادا کرنے کی تیاریاں ہوئیں، چونکہ نکاح مرج الصفر میں ہوا تھا جو کہ دمشق کے قریب ہے اور ہر وقت رومیوں کے حملہ کا اندیشہ تھا، لہٰذا سیدہ ام حکیم رضی اللہ عنہا نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ابھی توقف کریں، لیکن سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے

کہا: مجھے اسی معرکے میں شہادت کا یقین ہے۔

غرض ایک پُل کے پاس، جو اب قنطرہ ام حکیم کہلاتا ہے، رسم عروسی ادا ہوئی، ابھی دعوت ولیمہ سے فارغ نہیں ہونے پائے تھے کہ رومی آ پہنچے اور لڑائی شروع ہوگئی، سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے میدان جنگ میں جام شہادت نوش فرمایا۔ سیدہ ام حکیم رضی اللہ عنہا اگرچہ دلہن تھیں، لیکن پھر بھی انہوں نے اپنے کپڑوں کو باندھا اور خیمے کی لکڑی (چوب) اکھاڑ کر اس سے کفار پر حملہ کیا، لوگوں کا بیان ہے کہ اس چوب سے انہوں نے سات رومیوں کو قتل کیا تھا۔[1]

[1] الإصابة فی تمییز الصحابة: 379/8، رقم الترجمه: 11984.

سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا

ان کا نکاح سیدنا عمرو بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا، غزوۂ احد میں سیدنا عمرو بن قیس رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی تو سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ ①

یہ بڑی نیک اور پرہیز گار تھیں، رسول اللہ ﷺ جب بھی قبا میں تشریف لے جاتے، انہی کے گھر آرام فرماتے تھے۔ ②

حجۃ الوداع کے بعد ایک دفعہ آپ تشریف لائے اور کھانا کھا کر آرام کیا تو ام حرام رضی اللہ عنہا نے جوئیں دیکھنا شروع کیں، آپ کو نیند آ گئی لیکن تھوڑی دیر کے بعد نبی کریم ﷺ مسکراتے ہوئے اٹھے اور فرمایا:

"میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ سمندر پار غزوے کے ارادے سے سوار ہیں۔" سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے رسول! دعا کیجیے کہ میں بھی اس میں شامل ہو جاؤں، آپ نے دعا فرمائی اور پھر آرام فرمایا، کچھ دیر کے بعد پھر مسکراتے ہوئے اٹھے اور اسی خواب کا اعادہ فرمایا، سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے اپنی شرکت کی دعا کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا: "تم پہلی جماعت کے ساتھ ہو۔" اس خواب کی تعبیر سن ۲۷ھ میں پوری ہوئی۔ ③

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے حاکم تھے۔ انہوں نے متعدد دفعہ جزائر پر حملہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، لیکن سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے

① تهذيب التهذيب: 462/12، رقم الترجمه: 2927؛ الطبقات الكبرى: 320/8.
② الإصابة في تمييز الصحابة: 375/8. ③ الطبقات الكبرى لابن سعد: 320/8، رقم الترجمه: 4572.

اجازت نہ دی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں انہوں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو اجازت مل گئی۔ انہوں نے جزائر پر حملہ کرنے کے لیے ایک بیڑا تیار کیا، اس حملے میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریک تھے، جن میں سیدنا ابو ذر، ابو درداء، عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم اور سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ ①

بیڑا حمص کے ساحل سے روانہ ہوا اور آخر کار قبرص میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی، واپسی میں سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا سواری پر چڑھ رہی تھیں کہ نیچے گریں اور جان بحق ہو گئیں، لہٰذا انہیں وہیں دفن کر دیا گیا۔ ②

① الإصابة فی تمییز الصحابة: 8/375، 376. ② صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب الدعاء بالجهاد:2788.

ایک انصاری خاتون

احد کی لڑائی میں کئی مسلمان شہید ہوئے جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کفار نے مدینہ میں یہ افواہ اڑا دی کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ اس خبر سے خواتین مدینہ بے چین ہو کر نکل پڑیں، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بھی تحقیق کے لیے میدان جنگ میں آئیں، اپنے بھائی حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو دیکھا، ان کے بدن کے ٹکڑے بکھرے ہوئے دیکھ کر صبر کا پتھر کلیجے پر رکھا اور دعا کر کے خاموش ہو گئیں۔

انصاری عورتوں میں ایک نیک بخت خاتون کو پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ اس لڑائی میں شہید ہو گئے ہیں، تو وہ بے قرار ہو کر احد کی طرف روانہ ہو گئیں۔ احد سے واپس آنے والا جو شخص بھی ملتا اس سے رسول اللہ ﷺ کا حال دریافت کرتیں۔ بعض لوگوں نے کہا: نہایت افسوس کے ساتھ یہ بات کہنی پڑتی ہے کہ تمہارا نوجوان بیٹا، تمہارے والد اور تمہارے خاوند سب جنگ میں شہید ہو گئے۔ یہ خبر کس قدر صبر آزما تھی، ایک عورت کا کلیجہ پھاڑ دینے کے لیے ان میں سے کوئی بھی ایک خبر بھی کافی تھی، چہ جائے کہ تین خبریں! ان کے عزیز ترین تینوں سہارے ایک ساتھ رخصت ہو گئے تھے، لیکن اس اندوہناک خبر کے باوجود ان کی محبت کو دیکھیے کہ فرماتی تھیں: میں بھائی، باپ اور شوہر کا ماجرا نہیں پوچھ رہی، مجھے یہ بتلاؤ کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ انہوں نے خوشخبری دی کہ اللہ کا شکر ہے، آپ خیریت سے ہیں۔ انہوں نے کہا: مجھے اس وقت چین نہیں آئے گا جب تک میں اپنی آنکھوں سے نبی کریم ﷺ کا چہرہ مبارک نہ دیکھ لوں۔ وہ میدان احد میں آئیں اور رسول اللہ ﷺ کو صحیح سالم دیکھا تو بے ساختہ پکار اٹھیں: آپ کے ہوتے ہوئے سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔ (1)

(1) سیر أعلام النبلاء: 424/1.

سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا

یہ قبیلہ سعد کی رہنے والی بہت غریب عورت تھیں، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا اور کئی سال تک آپ کو پالا پوسا بھی تھا، یہ آپ کی رضاعی ماں ہیں، بعد میں انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ آپ ان کی تعظیم والدہ کی طرح کیا کرتے تھے۔ سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے دودھ پلانے کا واقعہ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ذیل میں بہت اختصار کے ساتھ لکھا جاتا ہے، سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی والدہ محترمہ نے دودھ پلایا، پھر دو تین دن کے بعد ثویبہ نے دودھ پلایا۔[1]

ثویبہ کے بعد سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے دودھ پلایا، اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ رؤسا اور شرفا اپنے دودھ پیتے بچوں کو آس پاس کے گاؤں میں بھیج دیا کرتے، تاکہ وہاں کی تازہ آب و ہوا سے صحت اچھی رہے اور فصیح و بلیغ زبان بھی سیکھ لیں اور محنت و جفاکشی کی بھی عادت پڑ جائے۔ اسی رسم و رواج کے مطابق دایہ عورتیں سال میں دو چار مرتبہ گاؤں سے بچوں کو لینے کے لیے شہر آیا کرتی تھیں اور شہری اپنے شیر خوار بچوں کو ان کے حوالے کر دیا کرتے تھے، وہ کچھ وظیفہ مقرر کر کے بچوں کو لے جایا کرتیں، پھر انہیں دودھ پلاتیں اور ان کی تربیت کرتیں۔

اسی دستور کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے چند روز بعد ہوازن کی چند عورتیں بچوں کی تلاش میں آئیں، ان میں یہ نیک بخت دایہ سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، حسن اتفاق سے کوئی بچہ ان کے ہاتھ نہیں آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ نے سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پاس بلایا اور بچہ دینا چاہا۔ حلیمہ رضی اللہ عنہا کے دل میں خیال آیا کہ میں

[1] الاصابة في تمييز الصحابة: 60/8، رقم الترجمة: 10970.

اس یتیم بچے کو لے کر کیا کروں گی، لیکن پھر سوچا کہ خالی ہاتھ جانے سے تو بہتر ہی ہے۔
اس لیے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی درخواست قبول کر لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے گئیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ان کے گھر میں بڑی برکت ہوئی اور ان کی تمام پریشانیاں دور ہوگئیں، سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کی ایک صاحبزادی تھیں، جن کا نام شیما تھا، انہیں نبی کریم رضی اللہ عنہا کے ساتھ بڑی محبت تھی، وہی آپ کو کھلایا پلایا کرتیں، دو برس بعد سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ کو مکہ میں لائیں اور آپ کی والدہ کے سپرد کیا، لیکن چونکہ اس وقت مکہ میں وبا پھیلی ہوئی تھی، اس لیے آپ کی والدہ نے فرمایا: ابھی ان کو لے جاؤ، چنانچہ وہ دوبارہ اپنے ساتھ لے گئیں۔

سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے پاس چھ برس تک رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بے انتہا محبت تھی، نبوت کے زمانے میں جب آپ کے پاس آئیں تو آپ ''میری ماں'' کہہ کر لپٹ گئے، ایک مرتبہ آپ کے پاس تشریف لائیں تو آپ نے ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر بچھا دی۔[1]

اے نیک بخت عورتو! آپ بھی سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کے اس واقعے سے عبرت حاصل کریں کہ جو دوسروں کے بچوں کی خدمت کرتا ہے وہ بڑے بڑے درجوں کا مستحق ہوتا ہے، لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں، اس کا نام ہمیشہ روشن اور زندہ رہتا ہے، اگر سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت نہ کرتیں تو آج دنیا میں ان کو کوئی نہ جانتا اور نہ ان کا اتنا بڑا درجہ ہوتا۔

[1] سیرۃ ابن اسحاق: 1/48، 49، 50۔

خندق والی شہید خاتون

حدیث کی کتابوں صحیح مسلم اور مسند احمد میں یہ سچی حکایت لکھی ہوئی ہے کہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفی ﷺ نے فرمایا: ''پرانے زمانے میں ایک بادشاہ تھا، اس کے ہاں ایک جادوگر رہتا تھا، جب جادوگر بوڑھا ہوا تو اس نے بادشاہ سے کہا: اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری موت کا وقت قریب آ چکا ہے، مجھے کوئی بچہ دے دو تو تاکہ میں اسے اپنا جادو سکھا دوں، چنانچہ وہ ایک ذہین لڑکے کو تعلیم دینے لگا۔ لڑکے کے راستے میں ایک راہب کا گھر پڑتا تھا، جہاں راہب عبادات اور وعظ میں مشغول رہتا تھا، یہ لڑکا وہاں کھڑا ہو جاتا اور اس کی عبادت کے طریقے کو دیکھتا اور وعظ و نصیحت سنتا۔ جادوگر بھی مارتا اور ماں باپ بھی، کیونکہ جادوگر کے پاس بھی بڑی دیر سے پہنچتا اور گھر بھی۔

ایک دن بچے نے راہب سے یہ شکایت بیان کی، راہب نے کہا: جب جادوگر تجھ سے پوچھے کہ کیوں دیر لگ گئی تو کہہ دینا کہ گھر والوں نے روک لیا تھا اور اگر گھر والے بگڑیں تو کہہ دینا کہ آج جادوگر نے روک لیا تھا، یوں ہی کافی عرصہ گزر گیا۔ ایک طرف وہ جادو سیکھتا رہا اور دوسری جانب اللہ کا کلام اور اس کے دین کو سیکھتا رہا۔

ایک دن یہ دیکھتا ہے کہ راستے میں ایک ہیبت ناک جانور پڑا ہوا ہے اور اس نے لوگوں کی آمد و رفت بند کر رکھی ہے، اِدھر والے اُدھر اور اُدھر والے اِدھر نہیں آ جا سکتے اور سب لوگ اِدھر اُدھر حیران و پریشان کھڑے ہیں۔ اس نے دل میں سوچا آج موقع ہے کہ میں امتحان لوں، چنانچہ اس نے جانور کو پتھر مارا اور اللہ سے کہا: اگر تیرے نزدیک راہب کا دین اور اس کی تعلیم جادوگر کے امر سے زیادہ محبوب ہے تو اس جانور کو اس پتھر سے ہلاک کر دے، تاکہ لوگوں کو اس بلا سے نجات ملے، پتھر لگتے ہی جانور مر گیا اور لوگوں کا آنا جانا شروع ہو گیا، پھر جا کر راہب کو خبر دی، اس نے کہا: پیارے بچے تو مجھ

سے افضل ہے، اب اللہ کی طرف سے تیری آزمائش ہوگی، اگر ایسا ہو تو کسی کو میری خبر نہ کرنا۔ اب اس بچے کے پاس حاجت مند لوگوں کا آنا جانا شروع ہوگیا اور اس کی دعا سے مادر زاد اندھے، کوڑھی، جذامی اور ہر قسم کے بیمار اچھے ہونے لگے۔

بادشاہ کے ایک نابینا وزیر کے کان میں بھی یہ آواز پڑی، وہ بڑے تحفے تحائف لے کر حاضر ہوا اور کہنے لگا: اگر تو مجھے شفا دے دے تو یہ سب میں تجھے دے دوں گا۔ اس نے کہا: شفا میرے ہاتھ میں نہیں، میں کسی کو شفا نہیں دے سکتا، شفا دینے والا تو اللہ وحدہٗ لاشریک ہے، اگر تو اس پر ایمان لانے کا وعدہ کرے تو میں اس سے دعا کروں، اس نے اقرار کیا، بچے نے اس کے لیے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دے دی، وزیر بادشاہ کے دربار میں آ گیا اور جس طرح سے پہلے کام کرتا تھا کرنے لگا، آنکھیں روشن ہوگئیں، بادشاہ نے متعجب ہو کر پوچھا: تجھے آنکھیں کس نے دیں؟ اس نے کہا: میرے رب نے، بادشاہ نے کہا: اچھا! کیا میرے سوا تیرا کوئی اور رب بھی ہے؟ وزیر نے کہا: ہاں، میرا اور تیرا رب اللہ ہے، اس نے مار پیٹ شروع کر دی طرح طرح کی تکلیفیں اور ایذائیں اس پہنچانے لگا اور کہنے لگا کہ تجھے یہ تعلیم کس نے دی ہے؟

آخر کار اس نے بتا دیا کہ بچے کے ہاتھ پر میں نے اسلام قبول کر لیا ہے، بچے کو بلوا کر کہا: اب تو تم جادو میں خوب کامل ہو گئے ہو کہ اندھوں کو بینا اور بیمار کو تندرست کرنے لگ گئے ہو۔ اس نے کہا: غلط ہے، میں کسی کو شفا دے سکتا ہوں نہ جادو دے سکتا ہے شفا تو صرف اللہ عزوجل کے ہاتھ میں ہے، باشادہ کہنے لگا: ہاں، یعنی میرے ہاتھ میں ہے، کیونکہ اللہ تو میں ہی ہوں، بچے نے کہا: ہرگز نہیں، بادشاہ نے کہا: کیا تو میرے سوا کسی اور کو رب مانتا ہے؟ وہ کہنے لگا: ہاں، میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔

اب اس نے اسے بھی طرح طرح کی سزائیں دینا شروع کیں، یہاں تک کہ راہب تک کا پتہ لگا لیا، راہب کو بلا کر کہا: تو اسلام چھوڑ دے اور اس دین سے پلٹ جا، اس نے انکار کیا تو بادشاہ نے اس کو آرے سے چروا دیا اور دو ٹکڑے کر کے پھینک دیا، پھر نوجوان سے کہا: تو بھی اپنے دین سے پھر جا، اس نے انکار کیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ

ہمارے سپاہی اسے فلاں فلاں پہاڑ پر لے جائیں اور اس کی بلند چوٹی پر پہنچ کر پھر اسے اس کے دین کو چھوڑنے کا کہیں، اگر مان جائے تو اچھا ہے ورنہ وہیں سے لڑھکا دیں، چنانچہ یہ لوگ اسے لے کر گئے، جب وہاں سے دھکا دینا چاہا تو اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کی:

((اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيهِمْ بِمَا شِئْتَ))

''اے اللہ! تو جس طرح چاہے مجھے ان سے نجات دے۔''

اس دعا کے ساتھ ہی پہاڑ ہلا اور وہ سب سپاہی لڑھک گئے، صرف وہی بچہ بچا، وہ وہاں سے اتر کر ہنسی خوشی پھر اس ظالم کے پاس گیا، بادشاہ نے کہا: یہ کیا ہوا، میرے سپاہی کہاں ہیں؟

اس بچے نے کہا: میرے اللہ نے مجھے بچا لیا ہے۔ بادشاہ نے کچھ اور سپاہی بلوائے اور ان سے کہا: اسے کشتی میں بٹھا کر لے جاؤ اور سمندر کے بیچوں بیچ پھینک کر چلے آؤ، یہ اسے لے کر چلے اور سمندر کے درمیان میں پہنچ کر جب سمندر میں پھینکنا چاہا تو اس نے پھر وہی دعا کی: اے اللہ! تو جس طرح چاہے مجھے ان سے بچا لے موج اٹھی اور سپاہی سارے کے سارے سمندر میں ڈوب گئے، صرف وہ بچہ ہی باقی بچا۔

پھر یہ بادشاہ کے پاس آیا اور کہا: میرے رب نے مجھے ان سے بھی بچا لیا ہے، اے بادشاہ! جو تو چاہے کر ڈال، لیکن مجھے ہلاک نہیں کر سکتا، ہاں جس طرح میں کہوں اگر اس طرح کرے تو میری جان نکل جائے گی، اس نے کہا: کیا کروں؟ کہا: تمام لوگوں کو ایک دن میدان میں جمع کر، پھر مجھے کھجور کے تنے پر سولی چڑھا اور میرے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر میری کمان پر چڑھا اور ((بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ)) ''اللہ کے نام سے جو اس بچے کا رب ہے۔'' کہہ کر تیر میری طرف پھینک دے، اس کے لگنے سے میں مر جاؤں گا۔

چنانچہ بادشاہ نے یہی کیا، تیر بچے کی کنپٹی میں لگا، اس نے اپنا ہاتھ اس جگہ رکھ لیا اور شہید ہو گیا، اس کے اس طرح شہید ہوتے ہی لوگوں کو اس کے دین کی سچائی کا یقین ہو

گیا، چاروں طرف سے یہ آوازیں اٹھنے لگیں کہ ہم سب اس بچے کے رب پر ایمان لائے، یہ دیکھ کر بادشاہ کے ساتھی بڑے گھبرا گئے اور بادشاہ کہنے لگا: اس لڑکے کی یہ ترکیب تو ہم سمجھے ہی نہیں۔

دیکھیے اس کا اثر یہ پڑا کہ تمام لوگ اسی کے مذہب پر ہو گئے، ہم نے تو اسی لیے اسے قتل کیا تھا کہ کہیں یہ مذہب پھیل نہ جائے، لیکن یہ تو الٹا ہی ہو گیا، سب لوگ مسلمان ہو گئے ہیں۔

بادشاہ نے کہا: اچھا تمام محلوں اور راستوں میں خندقیں کھدواؤ اور اس میں لکڑیاں بھرو، پھر اس میں آگ لگا دو، پھر جو اس دین سے پھر جائے اسے چھوڑ دو اور جو ڈٹا رہے اسے اس آگ میں ڈال دو، ان مسلمانوں نے صبر کے ساتھ آگ میں جلنا منظور کر لیا اور اس میں کود کود کر گرنے لگے۔ البتہ ایک عورت، جس کی گود میں دودھ پیتا بچہ تھا، ذرا جھجکی تو اس بچے کو اللہ نے بولنے کی طاقت دی اور اس نے کہا: اماں کیا کر رہی ہو، تم تو حق پر ہو، صبر کرو اور اس میں کود پڑو، لہٰذا وہ آگ میں کود پڑی۔“[1]

اس حکایت سے عبرت حاصل کریں کہ اللہ کے راستے میں یہ خاتون جل کر شہید ہو گئی، لیکن اللہ کے ساتھ کفر نہیں کیا، سچ ہے:

موا‌حد کہ برپائے زیرے زرش
وگر آرہ می نہی برسرش
امید و ہر اسش نبنا شذرکش
ہمیں است توحید بنیاد و بش

[1] صحیح مسلم، کتاب الزھد، باب قصۃ اصحاب الاخدود: 3005/72؛ مسند أحمد: 23931.

سیدہ ہندہ رضی اللہ عنہا بنت عتبہ

عتبہ، ابوسفیان اور ہندہ تینوں کو اسلام سے سخت عداوت تھی اور وہ اسلام کی غیر معمولی ترقی کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے تھے، حتی الامکان اس کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتے تھے۔ ابوجہل ان سب کا سردار تھا، لیکن جب بدر کے معرکے میں جو اسلام اور کفر کا پہلا معرکہ تھا، قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ابوجہل اور عتبہ وغیرہ بھی قتل ہو گئے تو ابوسفیان بن حرب نے جو عتبہ کے داماد تھے اس کی جگہ لی اور ابوجہل کی طرح مکہ میں ان کی سیاست بھی مسلم ہو گئی۔

چنانچہ بدر کے بعد جس قدر معرکے پیش آئے ابوسفیان سب میں پیش پیش تھے۔ غزوۂ احد ان کے جوش انتقام کا نتیجہ تھا، اس موقع پر ان کے ساتھ ان کی بیوی ہندہ بھی آئی تھیں۔ جنہوں نے اپنے باپ کے انتقام میں سنگ دلی اور خونخواری کا ایسا خوفناک منظر پیش کیا جس کے تخیل سے بھی جسم لرز اٹھتا ہے۔

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے، غزوہ بدر میں انہوں نے عتبہ کو قتل کیا تھا، ہندہ ان کی تاک میں تھی، چنانچہ انہوں نے وحشی کو جو جبیر بن مطعم کے غلام اور حربہ اندازی میں کمال رکھتے تھے، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کے لیے آمادہ کیا۔ یہ سیدنا وحشی رضی اللہ عنہ کے قبل از اسلام کا واقعہ ہے۔ اقرار یہ ہوا کہ اس کارگزاری کے صلے میں وہ آزاد کر دیے جائیں گے۔

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ جب ان کے برابر آئے تو وحشی نے حربہ مارا جو ان کی ناف میں لگا اور آر پار ہو گیا، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے ان پر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح پرواز کر گئی۔ [1]

[1] الطبقات الکبری لابن سعد: 6/3.

قبول اسلام

چنانچہ جب مکہ فتح ہوا اور رسول اللہ ﷺ لوگوں سے بیعت لینے بیٹھے تو مستورات میں سیدہ ہندہ رضی اللہ عنہا بھی آئیں، شریف عورتیں عموماً نقاب پہنتیں تھیں، سیدہ ہندہ رضی اللہ عنہا بھی نقاب پہن کر آئیں، بیعت کے وقت انہوں نے نہایت دلیری سے باتیں کیں جو حسب ذیل ہیں:

ہندہ: اے اللہ کے رسول! آپ ہم سے کن باتوں کا اقرار لیتے ہیں؟

رسول اللہ ﷺ: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

ہندہ: یہ اقرار آپ نے مردوں سے تو نہیں لیا لیکن بہرحال ہمیں منظور ہے۔

رسول اللہ ﷺ: چوری نہ کرنا۔

ہندہ: میں اپنے شوہر کے مال میں کبھی کبھار کچھ لے لیا کرتی ہوں، معلوم نہیں یہ بھی جائز ہے یا نہیں۔

رسول اللہ ﷺ: اولاد کو قتل نہ کرنا۔

ہندہ: ''رَبَّيْنَا هُمْ صِغَارًا وَقَتَلْتُهُمْ كِبَارًا فَاَنْتَ وَهُمْ اَعْلَمُ'' ہم نے تو اپنے بچوں کو پالا پوسا تھا، بڑے ہوئے تو آپ نے جنگ میں ان کو مار ڈالا، اب آپ اور وہ باہم سمجھ لیں۔[1]

اس دیدہ دلیری کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے سیدہ ہندہ رضی اللہ عنہا سے درگزر فرمایا: سیدہ ہندہ رضی اللہ عنہا کے دل پر اس کا بہت گہرا اثر ہوا اور ان کے دل نے اندر سے گواہی دی کہ آپ سچے پیغمبر ہیں، انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول، اس سے پہلے آپ کے خیمے سے زیادہ میرے نزدیک کوئی مبغوض خیمہ نہ تھا، لیکن اب میرے نزدیک آپ کے خیمے سے زیادہ کوئی خیمہ محبوب نہیں ہے۔[2]

سیدہ ہندہ رضی اللہ عنہا مسلمان ہو کر گھر گئیں تو اب وہ ہندہ نہ تھیں، ابن سعد نے لکھا ہے:

---

[1] الاصابة فی تمییز الصحابة: 346/8، رقم الترجمه: 11860.

[2] صحیح البخاری، کتاب مناقب انصار، باب ذکر ہند بنت عتبة: 3825.

انہوں نے گھر جا کر بت توڑ ڈالا اور کہا: ہم تیرے معاملے میں سے دھوکے میں تھے۔[1]

اسد الغابہ میں ان کے حسن اسلام کے متعلق لکھا ہے:

"اَسْلَمَتْ یَوْمَ الْفَتْحِ وَحَسُنَ اِسْلَامُهَا"[2]

فتح مکہ والے دن اسلام لائیں اور اپنے اسلام کو خوب سنوارا۔

فتح مکہ کے بعد اگرچہ اسلام کو علانیہ غلبہ حاصل ہو گیا تھا، اس لیے عورتوں کے غزوات میں شریک ہونے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی، تاہم جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں روم و فارس سے جنگ کی ضرورت پیش آئی تو بعض مقامات میں اس شدت کا رن پڑا کہ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی تیغ و خنجر سے کام لینا پڑا۔ چنانچہ شام کی لڑائیوں میں جنگ یرموک ایک یادگار جنگ تھی۔ اس میں سیدہ ہندہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ دونوں نے شرکت کی اور فوج میں رومیوں کے مقابلے کا جوش پیدا کیا، سیدہ ہندہ رضی اللہ عنہا بڑی فیاض اور دانشمند تھیں۔ اسد الغابہ میں ہے:

"كَانَتْ اِمْرَأَةً لَهَا نَفْسٌ وَاَنَفَةٌ وَرَأْيٌ وَعَقْلٌ"[3]

ان میں عزت نفس، غیرت، رائے کی تدبیر اور دانشمندی پائی جاتی تھی۔

اب میں اس بزرگ اور نیک سیرت خاتون کے مختصر ذکر خیر پر اس کتاب کو اس دعا کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو دونوں جہاں کی سعادت نصیب فرمائے۔ (آمین)

عبدالسلام بستوی (رحمہ اللہ)
مدرسہ ریاض العلوم دہلی

① الطبقات الكبرى لابن سعد: 188/8. ② اسد الغابة: 181/7. ③ اسد الغابة: 281/7، رقم الترجمه: 7350.